جلد: ۷ شمارہ: ۲
اپریل تا جون 2016ء
مسلسل شمارہ
32

سہ ماہی علمی و تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

اداریہ
عصمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قرآن مجید اور عدل علی علیہ السلام
مقتل کی چند اہم کتابیں
آفات اور بلائیں کیوں؟
شہرِ کوفہ میں عبیداللہ ابن زیاد کی سیاسی چالیں
حیات انسانی کے اہداف اور مقاصد کا جائزہ
اعضاء کی پیوند کاری مذاہب اربعہ اور شیعہ کی نظر میں
روزِ عرفہ کی عظمت اور دعائے عرفہ سے معرفت الٰہی کی چند جھلکیاں

نہج البلاغۃ
الصحیفۃ الکاملۃ
الاصول الکافی
من لایحضرہ الفقیہ
الاستبصار
تہذیب الاحکام

NMT

حج کا فلسفہ اور ثمرات

وقَالَ عَلَيْهِ السَّلامُ: وَفَرَضَ عَلَيْكُمْ حَجَّ بَيْتِهِ الْحَرَامِ، الَّذِي جَعَلَهُ قِبْلَةً لِلْأَنَامِ، يَرِدُونَهُ وُرُودَ الْأَنْعَامِ، وَيأْلَهُونَ إِلَيْهِ وُلُوهَ الْحَمَامِ. جَعَلَهُ سُبْحَانَهُ عَلَامَةً لِتَوَاضُعِهِمْ لِعَظَمَتِهِ، وَإِذْعَانِهِمْ لِعِزَّتِهِ، وَاخْتَارَ مِنْ خَلْقِهِ سُمَّاعاً أَجَابُوا إِلَيْهِ دَعْوَتَهُ، وَصَدَّقُوا كَلِمَتَهُ، وَوَقَفُوا مَوَاقِفَ أَنْبِيَائِهِ، وَتَشَبَّهُوا بِمَلَائِكَتِهِ الْمُطِيفِينَ بِعَرْشِهِ، يُحْرِزُونَ الْأَرْبَاحَ فِي مَتْجَرِ عِبَادَتِهِ، وَيَتَبَادَرُونَ عِنْدَهُ مَوْعِدَ مَغْفِرَتِهِ. جَعَلَهُ سُبْحَانَهُ لِلْإِسْلامِ عَلَماً، وَلِلْعَائِذِينَ حَرَماً، فَرَضَ حَقَّه، وَأَوْجَبَ حَجَّهُ ، وَكَتَبَ عَلَيْكُمْ وِفَادَتَهُ، فَقَالَ سُبْحَانَهُ: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔

امام علی علیہ السلام نے (حج کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے) فرمایا: اللہ نے اپنے مقدّس گھر کا حج تم پر واجب کیا۔ جسے لوگوں کا قبلہ بنایا؛ جہاں لوگ اس طرح کھینچ کر آتے ہیں، جس طرح پیاسے مویشی پانی کی طرف اور اس طرح شوق سے بڑھتے ہیں جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب۔ اللہ جلّ شان نے اس کو اپنی عظمت کے سامنے ان کی فروتنی و عاجزی اور اپنی عزت کے اعتراف کا نشان بنایا ہے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے سننے والے لوگ چن لیے جنہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور اس کے کلام کی تصدیق کی۔ وہ اس کے انبیاء کی ٹھہرنے کی جگہوں پر ٹھہرے اور عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں سے مشابہت اختیار کی، وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ میں منفعتوں کو سمیٹتے ہیں اور اس کی مغفرت کی وعدہ گاہ کی طرف بڑھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس گھر کو اسلام کا نشان، پناہ چاہنے والوں کے لئے امن کی جگہ بنایا ہے۔ اور اس کے حق کی ادائیگی کو فرض اور اس کے حج کو واجب قرار دیا ہے اور اس کی طرف راہ نوردی کو تم پر فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کا واجب الادا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کا حج کریں، جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو وہ جان لے کہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

(نہج البلاغہ، خطبہ اول سے اقتباس)

بسم الله الرحمن الرحيم

اہل قلم سے اپیل

سہ ماہی "نور معرفت" ایک علمی و تحقیقی جریدہ ہے جو ملک کے اعلی تعلیم یافتہ طبقہ کی علمی پیاس بجھانے کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس جریدے کا ہدف مخاطبین کے اذہان کو علم کی ضیاء پاشیوں سے منور کرنے کے ساتھ ساتھ دینی مدارس اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنا ہے۔ اس جریدے میں علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ؛ اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تدریس، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات کے علاوہ علمی کتابوں پر تبصرے شائع کئے جاتے ہیں۔ ایسے مقالات کے لئے یہ جریدہ علماء اور دانشوروں کے علمی اور قلمی تعاون کا محتاج ہے۔ لہٰذا ہماری اپیل ہے کہ اپنی گراں قدر علمی آراء، تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کو ضرور ارسال کریں۔

چند ضروری ہدایات

- مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیر نور معرفت کے نام ارسال کریں۔
- بہتر ہے کہ مضمون MS-Word میں کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس /پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔
- ترجیحی بنیادوں پر ادارہ کے تجویز کردہ موضوعات پر تحقیقات بھیجی جائیں۔
- حواشی اور حوالہ جات کے لئے اصلی مآخذ اختیار کریں اور مضمون کے آخر میں **Turabian Style** میں درج ذیل ترتیب کے مطابق لکھے جائیں:

  مصنف کا لقب، مصنّف کا نام؛ کتاب کا نام، پبلشر کا نام؛ سن طباعت؛ جلد؛ صفحہ نمبر۔ مثال کے طور پر:

  سید العلماء، علی نقی النقوی، تفسیر فصل الخطاب، مصباح القرآن ٹرسٹ، ۲۰۱۱، ج۱، ص ۱۴، لاہور، پاکستان۔
- مجلّہ، مقالات کی ادبی، فنّی اور ظاہری آرائش اور عبارتوں کی تہذیب کا حق رکھتا ہے۔
- ادارے کا مقالہ نگاروں کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں؛ لہٰذا مجلّہ ارسال شدہ مقالات کی علمی آرائش اور تہذیب کا حق رکھتا ہے۔

نوٹ

ادارے کا مقالہ نگاروں کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات فقط مجلّہ ہٰذا کا حوالہ دے کر شائع کیے جا سکتے ہیں۔

Declaration No: 7334
ISSN 2221-1659

سہ ماہی
علمی و تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

جلد: ۷
اپریل تا جون
2016
بمطابق
رجب المرجب
تا
رمضان المبارک
۱۴۳۷ھ
شمارہ: ۲

مدیر اعلی
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید رمیز الحسن موسوی

مجلس ادارت

- ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
- ڈاکٹر ساجد علی سبحانی
- ڈاکٹر سید راشد عباس
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- سید علی مرتضی زیدی
- سید ثمر علی نقوی
- روشن علی

کمپوزنگ، ڈیزائننگ: بابر عباس
پرنٹرز: پکٹوریل پریس، آبپارہ، اسلام آباد

قیمت فی شارہ 130 روپے
زرِسالانہ 500 روپے
زرِسالانہ 150 ڈالر امریکہ، کینیڈا، یورپ
زرِسالانہ 070 ڈالر مڈل ایسٹ

نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، نور الہدیٰ ٹرسٹ، محلّہ سادات، بارہ کہو اسلام آباد
www.nmt.org.pk | www.nht.org.pk
E-MAIL: NOOR.MARFAT@GMAIL.COM

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۷
۲	قرآن مجید اور عدل علی علیہ السلام	سید حسنین عباس گردیزی	۱۱
۳	عصمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سید مزمل حسین نقوی	۲۹
۴	آفات اور بلائیں کیوں؟	فائزہ بتول نقوی	۵۷
۵	حیات انسانی کے اہداف اور مقاصد کا جائزہ (قرآن کریم کی روشنی میں)	ڈاکٹر محمد افضل کریمی	۷۱
۶	روز عرفہ کی عظمت اور دعائے عرفہ سے معرفت الٰہی کی چند جھلکیاں	سید رمیز الحسن موسوی	۸۹
۷	شہر کوفہ میں عبید اللہ ابن زیاد کی سیاسی چالیں	ڈاکٹر عباس حیدر زیدی	۱۱۱
۸	اعضاء کی پیوندکاری مذاہب اربعہ اور شیعہ کی نظر میں	سید حسنین عباس گردیزی	۱۲۷
۹	مقتل کی چند اہم کتابیں (کتاب شناسی)	سید رمیز الحسن موسوی	۱۵۳

"نمت" ایک نظر میں

" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات"، نور الہدیٰ ٹرسٹ کا ایک ذیلی ادارہ ہے جسے بطورِ اختصار "نمت" **(NMT)** پڑھا لکھا جاتا ہے۔ یہ ادارہ فاضل علماء کرام اور دانشوروں کی رہنمائی میں کام کر رہا ہے اور اِسے جن شخصیات کی سرپرستی حاصل ہے اُن کی اکثریّت حوزہ علمیہ قم سے تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ، معروف انٹرنیشنل یونیورسٹیز سے بھی تعلیم یافتہ اور مختلف جامعات میں تدریس و تحقیق کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ "نمت" کو ملکی شخصیات کے علاوہ عالمِ اسلام کے بعض بین الاقوامی علمی مراکز کے فاضل علماء کرام کا قلمی تعاون اور فکری رہنمائی بھی حاصل ہے۔

"نمت" کا نصب العین **(Vision)** مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلامی تہذیب کی تشکیل کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم میں دینی آگہی کا فروغ اور قومی شعور بیدار کرنا "نمت" کا مشن **(Mission)** ہے۔ "نمت" کے اہداف **(Goals)** درج ذیل ہیں:

1. محققین کے درمیان رابطہ اور ہماہنگی ایجاد کرنا۔
2. نشر و اشاعت کے عمل میں قومی رسائل و جرائد کے ساتھ تعاون۔
3. اسلامی تعلیمات کے تحقیق طلب موضوعات پر تحقیقات پیش کرنا۔
4. قومی اور معاشرتی مسائل کا اسلامی تعلیمات کے نکتۂ نظر سے حل پیش کرنا۔
5. ملت مسلمہ کے افراد کو درپیش عقیدتی اور فکری شبہات اور سوالات کا جواب پیش کرنا۔
6. دینی مدارس، کالجوں اور یونی ورسٹیز کے اساتذہ اور طلباء میں تحقیق کا جذبہ اجاگر کرنا۔

جہاں تک "نمت" کی پالیسیوں **(Policies)** کا تعلق ہے تو ملکی سالمیت اور مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی تہذیب کی حکمرانی کی غرض سے پاکستان کے قومی نظریہ (نظریۂ توحید) کو اجاگر کرنا اور پاکستانی قوم کے اندر یکجہتی اور وحدت کا شعور بیدار کرنا، اس ادارے کی اساسی پالیسی ہے۔ "نمت" کی پالیسی یہ ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے اس قوم میں پائی جانے والی بیمار دینی سوچ کا معالجہ اور فکری پسماندگی کا خاتمہ کیا جائے؛ تاکہ یہاں اسلامی تہذیب حاکم ہو سکے۔

"نمت" کی تگ ودَواور سرگرمیوں کادائرہ کار محض تعلیمی، تحقیقی میدان میں فعالیت میں محدود ہے اور یہ اپنے اہداف کے حصول کے لئے مختلف اسلامی فرقوں اور مذاہب کے درمیان بین المسالک ہماہنگی، تعمیری تنقید اور درک متقابل کا قائل ہے۔ یہ ادارہ کسی خاص شخصیت کی تصنیفات پیش کرنے کی بجائے، اپنے اہداف سے ہماہنگ، ہر تحقیقی کاوش کو اپنے دامنِ نشرواشاعت میں جگہ دینے کاعہد کیے ہے۔ ہم فکر محققین کی تربیت بھی "نمت" کی اساسی پالیسی ہے۔ لہٰذادینی مدارس کے اساتذہ، محققین، دینی اسکالرز، کالجز، یونی ورسٹیز کے طلباء وطالبات، اہل قلم اور دانشور حضرات ہمارے خاص مخاطب شمار ہوتے ہیں۔

تحقیق کے میدان میں "نمت" کا منہج بڑا واضح ہے۔ ہمارے منابع میں قرآن کریم سرفہرست ہے اور ہم سنّت نبوی کے اُس طریق پر اعتماد کرتے ہیں جو ائمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا طریق ہے۔ ان منابع سے دینی تعلیمات کے اخذواستخراج میں ہم مکتب تشیع کی اُس علمی تحقیقی روش کے علمبردار ہیں جو دینِ اسلام کے بنیادی منابع میں تتبّع، تفحّص اور اجتہاد کی بنیادوں پر استوار ہے۔

جہاں تک "نمت" کی کارکردگی کا تعلق ہے تو اب تک یہ ادارہ مختلف موضوعات پر 13 کتابیں اور سہ ماہی مجلّہ "نور معرفت" کے 31 شمارے (تقریباً ۲۹۲ علمی، تحقیقی مقالات) پیش کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ ادارہ اب تک 8 سالانہ علمی سیمینارز کاانعقاد بھی کر چکا ہے۔ بہر صورت، "نمت" کو اپنے تحقیقاتی منصوبے جاری رکھنے کے لئے دانشوروں، علماء اور اہل قلم کے قلمی اور فکری تعاون کے ساتھ ساتھ علم دوست احباب کا مالی تعاون بھی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کرم فرماؤں کو اس ادارے کے لئے بہتر سے بہتر وسائل فراہم کرنے کے توفیق عطا فرمائے! (آمین!)

ڈائریکٹر "نمت"

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

اداریہ

شاید ۱۳۳۷ ھ کے ذی الحجہ میں حجاج کرام مناسک حج کی ادائیگی کے بعد اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ رہے ہوں گے اور ۱۳۳۸ ھ کے محرم الحرام میں غم سید الشہداء منانے والے غم کا لباس زیب تن کر کے عزاداری مظلوم کربلا کی تیاریاں کر رہے ہوں گے تو اس وقت نور معرفت کا یہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گا۔ دنیائے علم وادب میں علمی مجلّوں میں تاخیر ایک قابل عفو جرم ہے وہ بھی پاکستان جیسے ملک میں کہ جہاں نہ حکمرانوں کی طرف سے علمی ودینی جرائد ورسائل کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور نہ عوام الناس اس قسم کے رسالوں کو اہمیّت دیتے ہیں۔ بہر صورت چند علم دوست حلقے اور باذوق قارئین ضرور موجود ہیں جن کے دم سے ان رسائل وجرائد کی سانسیں اُکھڑی اُکھڑی سہی لیکن چل ضرور رہی ہیں۔ دوسری طرف انٹرنیٹ کے اس دور میں جہاں ای بک کے بہانے پرنٹ شدہ علمی وادبی مواد سے لوگ ایسے بھی بھاگتے ہیں، چند علم دوست اور مطبوعہ علمی مواد کے رسیا قارئین کی زبان سے نور معرفت جیسے مجلے کی تعریف سن کر انسان کے اندر سیروں خون اضافہ ہو جاتا ہے۔ تاخیر ہی کیوں نہ ہو جائے، علمی مواد کاغذ کی زینت بنا کر شستہ فکر قارئین تک پہنچانے میں انسان ایک روحانی تسکین محسوس کرتا ہے۔

بہر حال یہ شمارہ بھی مقالات کی تاخیر کی وجہ سے ایک بار پھر تاخیر سے قارئین تک پہنچا ہے، لیکن اس بار بھی چند وقیع علمی تحریریں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ جن کے مطالعے سے یقیناً قارئین کے علمی ذوق کی تسکین ہو گی اور علوم قرآن واہل بیتؑ کی ترویج سے ہم اُخروی اجر وثواب سے بہرہ مند ہو سکیں گے۔

عدل وقسط دین اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے جس کے مطابق پوری کائنات کا نظام ہی عدل وقسط پر قائم ہے۔ ہمارے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالیٰ عادل ہے اور عدل وقسط پر مبنی نظام کو پسند کرتا ہے، اسی لئے قرآن مجید میں عدل کے بارے میں بہت زیادہ تاکید ملتی ہے اور نبی اکرم ﷺ سے لے کر آپؐ کے تمام جانشینوں نے عدل وقسط کے لئے اپنے اپنے دور میں لازوال قربانیاں دی ہیں، جن میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد سر فہرست ہیں، جن کو ''کُشتہ عدل'' کا لقب دیا گیا ہے، یعنی ایسی ہستی جو اپنے عدل وانصاف کی وجہ سے قتل ہوئی ہے۔

حضرت امام علیؑ کی پوری زندگی قرآنی عدل کا نمونہ تھی اور آپؑ نے اپنی ظاہری حکومت کے دوران بھی قرآن کی اس تعلیم کو عام کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ذرہ بھر دریغ نہیں کیا اور عدالت قائم کرنے میں بے شمار مشکلات کا سامنا کیا۔ اس شمارے میں ''قرآن مجید اور عدل علیؑ'' کے عنوان سے قرآن مجید کی آیات عدل کی روشنی میں امیر المؤمنینؑ کی سیرت کا مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے جو قارئین کے لئے مفید ثابت ہو گا۔

میڈیا ایک ایسا کھلا میدان ہے جس میں ہر شخص اپنی فکر کے گھوڑے دوڑا سکتا ہے اور اپنی اچھی یا بُری فکر کی ترویج کر سکتا ہے۔ اس مادر پدر آزاد ماحول میں جہاں بہت سے اچھے افکار کی ترویج ہوتی ہے وہاں بعض ایسی باتیں بھی پھیلائی جاتی ہیں جن کی کوئی تحقیقی بنیادیں نہیں ہوتیں اور بلا علم و تحقیق سطحی عقائد وافکار پھیلائے جا رہے ہیں جن سے بہت سے ناپختہ اذہان تشویش کا شکار ہو کر غلط قسم کے فکر و نظریات کی طرف راغب ہونے لگتے ہیں۔ اس سلسلے میں الیکٹرانک میڈیا بہت زیادہ کام کر رہا ہے اور اسلام کے درست اور عقلی اعتقادات کے بارے میں غلط اور بے بنیاد چیزیں پھیلائی جا رہی ہیں۔ لہٰذا اسی سلسلے میں عصمت نبی ﷺ کے بارے میں بھی کچھ کج فہم لوگ بعض شبہات کا اظہار پرنٹ میڈیا کے علاوہ فیس بک اور دوسرے الیکٹرانک میڈیا پر کرتے رہتے ہیں۔ اس شمارے میں ''عصمت نبی اکرم ﷺ'' کے عنوان سے قرآن کی بعض ایسی آیات جن کے ظواہر سے عصمت انبیاء کے حوالے سے شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان آیات کی ایسی جامع اور قابل فہم تفسیر پیش کی گئی ہے جس سے اس قسم کے شبہات زائل ہو جاتے ہیں۔

انسان جہاں مصائب وآفات سے گھبراتا ہے وہاں ان کے بارے میں غور وفکر بھی کرتا ہے کہ یہ آفات انسانی زندگی میں کیوں دخل انداز ہوتی ہیں اور ان کا فلسفہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک نوجوان محقق اور تازہ دم لکھاری کی عمدہ تحریر ''آفات اور بلائیں کیوں؟'' کے عنوان سے پیش کی گئی ہے۔ اس تحریر کو پڑھ کر انسانی زندگی میں آفات ومشکلات کے مثبت کردار کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے اور انسان کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

انسانی زندگی کے مقاصد واہداف کے بارے میں ہر دور میں انسان کے متجسس ذہن میں سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا جواب دینے والی ایک تحریر ''قرآن مجید کی روشنی میں حیات انسان کے اہداف

ومقاصد'' کے نام سے بھی اس شمارے میں شامل کی گئی ہے۔ نوذی الحجہ ،روز عرفہ کے نام سے پہنچانا جاتا ہے۔ اس دن کی عظمت کے بارے میں تمام اسلامی مسالک کی کتابوں میں بہت زیادہ روایات ملتی ہیں اور تمام مسلمان اس دن کو عظمت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس دن کے اعمال بجالاتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں۔ اسی مناسبت سے امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ کاایک مختصر مطالعہ ''روز عرفہ کی عظمت اور دعائے عرفہ میں معرفت الٰہی کی جھلکیاں'' کے عنوان سے دعائیہ ادب میں دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

ماہ محرم الحرام میں واقعۂ کربلا جیسے المناک سانحہ کے بارے میں ہمیشہ سے تحقیق وجستجو کا باب کھلا ہوا ہے اور ہر دور میں اس واقعہ کے مثبت ومنفی کرداروں کا تاریخی مطالعہ جاری ہے۔ اس واقعہ کا ایک منفی کردار ''عبید اللہ ابن زیاد'' ہے۔ جس کی سیاسی روش نے اس المناک واقعہ کی تاریخ کے سیاہ صفحات میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ اس بارے میں ''شہر کوفہ میں عبید اللہ ابن زیاد کی سیاسی چالیں'' کے عنوان سے ایک مقالہ بھی اس شمارے میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس مقالے کے مطالعے سے کربلا کے واقعے میں اہل کوفہ کے کردار کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے؛ وہ اہل کوفہ جن میں محبین اہل بیتؑ کی ایک بڑی تعدا موجود تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اہل بیت اطہارؑ کا ساتھ نہیں دے سکے۔ یہ کوفہ کے محبین اہل بیتؑ کی بے ایمانی تھی یا کوفہ پر مسلط حکمرانوں کی سیاسی چالیں تھیں کہ جن کی وجہ سے بہت سے اہلِ کوفہ امام عالی مقام علیہ السلام کی مدد کے لئے کربلا میں حاضر نہیں ہوسکے؟ اس قسم کے سوالات کا جواب بھی کسی حد تک اس مقالے میں موجود ہے۔

گزشتہ مہینوں میں ہمارے ملک کے ایک عظیم اور منفرد سماجی کارکن ''عبدالستار ایدھی صاحب'' کا انتقال ہوا ہے۔ جنہوں نے اپنے مرنے سے پہلے ایک وصیت کے ذریعے کسی ضرورت مند مریض کے لئے آنکھوں کا عطیہ دیا ہے۔ جس پر ان کی موت کے بعد عمل درآمد کیا گیا ہے۔ لیکن ایدھی صاحب کے اس انسانی عمل سے ملک کے دینی اور سماجی حلقوں میں ایک بحث کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے کہ آیا آنکھوں کا عطیہ دینا شرعی عمل ہے یا خلاف شریعت ہے۔ ہم مخالفت کرنے والوں کی مذمت نہیں کرتے، لیکن ان سے اتنی درخواست ضرور کرتے ہیں کہ دین میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور دین اسلام ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ہر دور میں پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرتا

ہے۔ انسانی اعضا کی پیوند کاری بھی جدید دور کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے جس پر انسانوں کی نجات کا دارومدار ہے۔ اس قسم کے مسائل کو بغیر تحقیق وعلم کے فتویٰ بازی سے حل کرنا کوئی دینی وانسانی خدمت نہیں، بلکہ اس بارے میں شریعت کے شرعی منابع کی روشنی میں تحقیق وجستجو کرکے مسئلہ کا حل پیش کرنا ہی احسن عمل ہے۔ ضرورت کے تحت ''اعضا کی پیوندکاری مذاہب اربعہ اور امامیہ کی نظر میں'' کے عنوان سے ایک فقہی مقالے کا فارسی زبان سے ترجمہ بھی اس شمارے میں پیش کیا گیا ہے جو یقیناً اس بحث سے دلچسپی رکھنے والوں کی معلومات میں اضافے کا باعث بنے گا۔ آخر میں کتاب شناسی کے عنوان سے مقتل کی چند اہم کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے جو یقیناً محرم الحرام میں شہادت عظمیٰ اور شہدائے کربلا کے بارے میں تحقیق وتقریر کرنے والوں کے لئے رہنما تحریر ثابت ہوگی۔

آخر میں ہم اپنے قارئین سے ایک بار پھر درخواست کرتے ہیں کہ وہ ایک خط، ای میل، ایس ایم ایس اور فون کے ذریعے ہم سے رابطے میں رہیں اور اس مجلے کو بہتر سے بہتر بنانے کے بارے میں اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کریں۔ آپ کی مثبت تنقیدی رائے جہاں نور معرفت کی زندگی میں اضافے کا باعث بنے گی وہاں اس کی علمی وتحقیقی بنیادوں کو بھی مضبوط بنائے گی۔

☆☆☆☆☆

قرآن مجید اور عدل علی علیہ السلام

سید حسنین عباس گردیزی*

کلیدی کلمات: سیرت علیؑ، عدل علیؑ، تاویل قرآن، اسباب نزول، قضاوت

خلاصہ

قرآن مجید اور علیؑ کا رشتہ اتنا محکم ہے کہ جن میں جدائی ناممکن ہے۔ قرآن کا اثر جس طرح رسول اللہؐ پر ہوا اس طرح علیؑ کے سوا کسی اور پر نہیں ہوا۔اس کے راز کو خود علیؑ نے نہج البلاغہ کے ایک خطبے میں بیان فرمایا ہے۔ جس کے مطابق علیؑ نزول وحی سے لے کر آخر تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور ان کی تربیت نزول قرآن کے سائے میں ہوئی۔ علیؑ اور قرآن میں گہرے تعلق کی ترجمان وہ احادیث نبوی ہیں جن کو فریقین نے اپنی کتابوں نے نقل کیا ہے۔ ان سب سے زیادہ مشہور حدیث ثقلین ہے اور اس کے بعد بہت سی اور احادیث میں بھی علیؑ کے عالم قرآن ہونے کے محکم شواہد ملتے ہیں۔ پھر علیؑ نے اپنی عملی سیرت سے بھی ثابت کر دیا کہ اُن کی پوری زندگی قرآن میں ڈھلی ہوئی تھی۔ خاص کر عدل علیؑ کو دیکھا جائے تو آپ کا طرز عمل قرآن کی عملی تفسیر تھا۔ خلافت علیؑ کے دوران بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے قرآن مجید اور عدل علیؑ میں مکمل مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس مقالے میں سیرت علیؑ میں سے فقط عدل وانصاف کے چند واقعات کو فریقین کی کتب سے نقل کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد علیؑ کا عدل وانصاف، قرآن کی مکمل تفسیر تھا اور حضرت علیؑ نے کبھی بھی قرآنی عدل وانصاف کے برخلاف عمل نہیں کیا۔

*۔ مدرس جامعۃ الرضا ومدیر اعلی مجلّہ نور معرفت، بارہ کہو اسلام آباد۔

قرآن سے حضرت علی علیہ السلام کا تعلق اتنا محکم اور استوار ہے کہ ان میں جدائی ناقابل تصور ہے۔ قرآن حضرت علی علیہ السلام کے رگ وپے اور خون میں سرایت کر چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قرآن کا اثر جس طرح حضرت علی علیہ السلام پر ہوا، آپ کے علاوہ کسی پر نہیں ہوا۔ علی علیہ السلام نے جس طرح قرآن کو جانا اور جس طرح اس پر عمل کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نے اس طرح عمل نہیں کیا۔ اس کا راز علی علیہ السلام نے خود بیان فرمایا ہے۔

" وَلَقَدْ كُنْتُ اَتَّبِعُهُ اِتِّبَاعَ الفصيل اَثَرَ اُمِّهٖ يرفَعُ لِی فی كُلِّ يومٍ من اخلاقِهٖ عَلَمًا ويأمُرُنِی بالاقتداء بِهٖ وَلَقَدْ كانَ يُجَاوِرُ فِی كُلِّ سَنَةٍ بِحَرَاءَ فاَرَاه ولايَرَاهُ غَيْرِی. وَلَمْ يَجْمَعْ بَيْتٌ واحدٌ يومئذٍ فِی الاسلام غَيْرُ رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم و خديجه و اَنَا ثالثُهما. ارىٰ نورَ الوحی والرّسالَةِ واَشَمُّ رِيْحَ النُّبُوَّة. وَلَقَدْ سَمِعْتُ رنَّةَ الشيطانِ حِيْنَ نَزَلَ الوحُی عليه صلی الله علیه وآله وسلم. فَقُلْتُ يا رسولَ الله ما هذه الرَّنَّةُ؟ فقال هذا الشيطان اَيِسَ مِن عبادته انَّكَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ وترىٰ ما ارىٰ اِلاَّ اَنَّكَ لَسْتَ بنبِیٍّ ولٰكِنَّكَ وزير و اِنَّكَ لَعلٰی خير" (1)

ترجمہ: "اور میں آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (کوہ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے اور وہاں میرے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت کسی گھر کی چار دیواری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور (ام المومنین) خدیجہ سلام اللہ علیہا کے علاوہ تیسرا مسلمان میں تھا۔ میں وحی ورسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپ پر (پہلی) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی، جس پر میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آواز کیسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے کہ جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہوگیا ہے۔ (اے علیؑ) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو لیکن تم نبی نہیں ہو بلکہ میرے وزیر وجانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔"

اس قول کی رو سے علی علیہ السلام نزول وحی سے لے کر آخر وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، ان کی تربیت نزول قرآن کے سایے میں ہوئی۔ قرآن اور علی علیہ السلام کے آپس میں گہرے رشتے اور لاینفک تعلق

کی بنیاد احادیث نبوی ﷺ ہیں جنہیں فریقین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور حدیث ثقلین ہے جس میں قرآن اور اہلبیتؑ کے باہمی رشتے اور تعلق کو واضح طور پر ذکر کیا ہے۔

''قال رسول اللہ ص: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثِّقْلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي وَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ'' (2)

ترجمہ: ''میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب (قرآن) اور دوسری میری عترت اہل بیت، یہ دونوں ہر گز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں گے۔''

اس کے علاوہ احادیث کی ایک کثیر تعداد اس مطلب کو بیان کرتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''علی مع القرآن والقرآن مع علی، لن یفترقا حتی یردا علی الحوض'' (3)

ترجمہ: "علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے یہ دونوں آپس میں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض (کوثر) پر پہنچ جائیں گے۔" مذکورہ حدیث کو حاکم نیشاپوری، طبرانی، خوارزمی، قندوزمی اور ابن حجر نے اپنی اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔(4)

حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بہت ساری کتب میں یہ حدیث بھی نقل ہوئی ہے۔ جس میں ابو سعید خدری نے بیان کیا ہے کہ:

'' قال رسول اللہ ﷺ: منکم رجلٌ یقاتل النّاس علی تأویل القرآن کما قاتلتُ علی تنزیلہ، قال: فقال ابوبکر انا ھو یا رسول اللہ؟ قال: لا و قال عمر أنَا ھو یا رسول اللہ؟ قال: لا ولٰکِنَّہ خاصِف النَّعْلِ فی الحجرۃ فَخَرَجَ الینا علی ابن ابی طالب و معہ نَعْلُ رسول اللہ '' (5)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص لوگوں سے تاویل قرآن پر جنگ کرے گا جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی ہے۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ شخص میں ہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ حضرت عمر نے پوچھا: کیا وہ میں ہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ شخص ہو گا جو حجرے میں جوتے کو پیوند لگا رہا

ہے۔ پس اتنے میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام حجرے سے نکل کر ہماری طرف آئے اور ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی نعلین تھی۔"

امام احمد بن حنبل نے مسند احمد میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ میں، ابن الاثیر نے اسد الغابۃ میں حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں، ھیثمی نے مجمع الزوائد میں، طبرانی نے معجم الصغیر میں، بیہقی نے دلائل النبوۃ، اور امام نسائی نے السنن الکبری میں اس حدیث کو اپنی اپنی اسناد سے ذکر کیا ہے۔(6)

قرآن مجید کا مکمل علم رسول خدا ﷺ کے پاس تھا۔ ان کے بعد یہ علم جس ہستی کے پاس تھا وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے تأویل قرآن کا علم بھی حضرت علی علیہ السلام کے پاس تھا۔ آیات کے شان نزول، اسباب النزول کے بارے میں آپ مکمل آگاہ تھے۔

اصبغ بن نباتہ نے روایت کی ہے کہ جب امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت پر بیعت کی گئی تو اس وقت آپؑ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا:

''سلونی قبل ان تفقدونی فواللہ! اِنی لاعلم بالقرآن وتاویلہ من کُلِّ مُدَّعٍ علمہ فوالّذی فَلَقَ الحَبَّۃَ وبَرَالنسَّمۃ لو سأَلْتُمونی عن آیۃ لاَ خْبَرْتکُم بوقتِ نُزُولِھا وفِیْمَ نَزَلَتْ ''(7)

ترجمہ: ''مجھ سے پوچھو اس سے پہلے کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں، اللہ کی قسم! میں قرآن اور اس کی تأویل سے، اس علم کے ہر دعویٰ کرنے والے سے زیادہ جانتا ہوں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور مخلوق کو پیدا کیا۔ اگر تم مجھ سے کسی بھی آیت کے بارے میں پوچھو تو میں تمہیں اس کے نزول کا وقت بھی بتاؤں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

علی علیہ السلام قرآن کے نزول کی تمام خصوصات کو زمان ومکان کے لحاظ سے جانتے تھے۔ انہوں نے خود فرمایا ہے:

''وَاللہِ، مَانَزَلَتْ آیَۃٌ اِلاَّ وَقَدْ عَلِمْتُ فِیمانَزَلَتْ وَاَیْنَ نَزَلَتْ ''(8)

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں ہر نازل ہونے والی آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی ہے اور کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ایک اور مقام پر آپؑ فرماتے ہیں:

''سلونی من کتاب الله فانّه لَیْسَ مِنْ آیَةٍ اِلاَّ وقد عَرَفْتُ أَبِلَیْلٍ نَزَلَتْ اَوْ بِنَهارٍ فِی سَهْلٍ اَوْجَبَلٍ'' (9)

ترجمہ: ''مجھ سے کتاب الٰہی کے بارے میں سوال کرو۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں میں نہ جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن میں، میدانی علاقے میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ میں''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب مجھے معراج پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھؐ سے فرمایا:

''یا محمد، علی علیم بکُلِّ ماانزلتُ مِن الحلال والحرام والفرائضِ والاحکام والتنزیل وتأویل والمحکم والمتشابِہ والناسخ والمنسوخ'' (10)

ترجمہ: ''اے محمد ﷺ! علیؑ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جو میں نے حلال وحرام، فرائض، احکامات نازل کیے ہیں اسی طرح وہ تنزیل قرآن، تاویل قرآن اور اس کی محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ (تمام آیات) کا علم رکھتا ہے۔''

قرآن مجید میں ناسخ اور منسوخ آیات ہیں، اسی طرح محکم و متشابہ اور خاص و عام آیات ہیں۔ ان آیات کے بارے میں صحابہ کرام اور مفسرین کا اختلاف ہے، لیکن علی علیہ السلام کے پاس ان سب کا علم موجود تھا اور ایسا نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے ہوا۔ جیسا کہ علی علیہ السلام نے خود فرمایا ہے:

''مَا نَزَلَتْ عَلٰی رَسُولِ اللهِ ﷺ آیةٌ من القرآن اِلاَّ اقرأینها واَمْلاَّ هَا عَلیَّ فَکَتَبْتُها بخطی، علّمنی تأویلَها وتفسیرَها، وناسخها ومَنْسُوخَها، ومحکمها ومتشابتهها وخاصّها وعامها و دعا الله لی ان یعطینی فَهْمَهَا وحفظها ما نسیت آیةً من کتاب الله تعالیٰ وعلماً اَمْلاہ علیّ وکتبتُه منذ دعا اللهَ لِی بما دعا'' (11)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ پر قرآن کی جو بھی آیت نازل ہوئی آپؐ نے مجھ پر اس کی قرأت فرمائی اور مجھے لکھوائی اور میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے لکھا، رسول خدا ﷺ نے اس آیت کی تاویل اور تفسیر کی مجھے تعلیم دی، ناسخ اور منسوخ آیات، محکم اور متشابہہ آیات، خاص اور عام آیات سب مجھے بتایا، اور میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ وہ مجھے آیات کا فہم عطا فرمائے اور انہیں یاد رکھنے کی توفیق دے۔ پس جب سے آنحضرت ﷺ نے میرے لیے دعا فرمائی۔ اس وقت سے نہ میں کتاب الٰہی میں سے کسی آیت کو بھولا ہوں اور نہ ہی کسی، آیت کو فراموش کیا ہے جو آپؐ نے مجھے املاء کروائی تھیں۔''

قرآن مجید کی تمام آیات کو علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں لکھوایا۔ انہوں نے خود فرمایا ہے:

''اِنَّ کُلَّ آیۃٍ اَنْزَلَھا عَلٰی محمدٍ ﷺ عِنْدِی بِاِمْلَاءِ رسول اللہِ وخَطِ یَدِی'' (12)

ترجمہ: ''حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی ہر آیت میرے پاس ہے جسے رسول خدا ﷺ نے مجھے لکھوایا اور میں نے اُسے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام کے پاس قرآن کے ظاہر اور باطن کا علم تھا۔

''عَنْ ابن مسعود اَنَّہ قَالَ اِنّ القرآنَ اَنْزَلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ، مَا مِنھا حرفٌ اِلَّا وَلَہ ظَھْرٌ وبَطْنٌ، وَاِنَّ علَی ابن ابی طالب عِنْدَہ مِنَ الظَاھِرِ وَالبَاطِنِ'' (13)

ترجمہ: ''ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس نے کہا ہے قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا۔ اور ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور علی ابن ابی طالبؑ کے پاس اس کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔''

حضرت علی علیہ السلام تمام صحابہ کرام سے فقہ القرآن میں زیادہ عالم تھے۔ قرآن کے حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم انہیں حاصل تھا۔ جیسا کہ آپؑ خود ارشاد فرماتے ہیں:

''وَمَاتَرَكَ شَيْئًا عَلَّمَهُ اللهُ مِنْ حلالٍ وَلَاحرامٍ وَلَا امْرٍ وَلَانَهيٍ كان اويكون ولاكتاب مُنْزِلٍ على احدٍ قَبْلَا مِنْ طاعَةٍ اَوْ مَعصِيَةٍ اِلَّا علَّمَنِيْهِ وَ حَفِظْتُهُ فَلَمْ انْسَ حَرْفًا وَاحِدًا، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى صَدْرِى وَدَعَا اللهلِى اَنْ يَمْلأَ قَلْبِى عِلْمًا وَفَهْمًا وَحُكْمًا وَنُوْرًا'' (14)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو حلال وحرام، امر اور نہی جو ہوا اور جو ہونا ہے کی تعلیم دی اور آنحضرت ﷺ سے پہلے جو کتاب اطاعت اور معصیت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ سب علم آپؐ نے مجھے عطا فرمایا اور میں نے اُسے یاد کر لیا اور اس علم میں سے میں ایک حرف بھی نہیں بھولا، پھر پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینے پر رکھ کر میرے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ میرے قلب کو علم و فہم حکمت اور نور سے پُر کردے''

حضرت علی علیہ السلام کا قرآن کے متعلق تمام جہات سے کامل علم اور قرآنی آیات کا آپ کے دل وجان میں سرایت کرنا اس بات کا موجب بنا کہ آپ کی گفتار، رفتار اور کردار اور عمل سب قرآن کی تفسیر بن گیا اور قرآنی آیات کا عکس آپ کی سیرت میں پورے طور پر جلوہ، افگن ہوگیا۔ قرآن کی تجلی علی علیہ السلام کے کردار میں نمایاں ہوگئی لہٰذا بجا طور پر آپ کو قرآن ناطق کے لقب سے نوازا گیا۔

قرآن اور عدل علیؑ :

قرآن مجید کی بنیادی اور اہم ترین تعلیمات میں سے ایک عدل وانصاف کا حکم ہے۔ اس پر قرآن میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

''لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ'' (15)

ترجمہ: ''بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل وانصاف قائم کریں۔''

اس آیت میں تمام انبیاء کے معبوث ہونے کی غرض وغایت کا خلاصہ بیان فرمایا ہے کہ ان کو شریعت، آیات بنیات، کتابیں اور میزان عنایت ہوئی ہیں تو ان سب کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ عدل وانصاف قائم کریں۔

اسی طرح قرآن مجید سورہ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے:

''وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُم بِالقِسْطِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ'' (16)

ترجمہ: ''اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیں بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں سب لوگوں کو عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

''إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ'' (17)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو۔''

ان آیات اور عدل وانصاف کے بارے میں قرآن کی دیگر آیات کی روشنی میں جب ہم علی علیہ السلام کے سیرت و کردار کو دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں پورے طور پر عدل کے سانچے میں ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔ بلکہ وہ ہمیں مجسمہ عدل نظر آتے ہیں۔ ان آیات کی تجلی ان کے عمل و کردار میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

عدل اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے اور اپنے وسیع معنوں میں ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاکم ہے قضاوت کی مسند ہو یا عدالت کی کرسی ہو، بیت المال کی تقسیم ہو یا غلاموں اور آقاؤں کے حقوق، عرب و عجم کا مسئلہ ہو یا حکومتی وظائف کی بات ہو، حکمرانوں کے فرائض ہوں یا رعایا کے حقوق، ان سب امور میں علی علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی عادل نظر نہیں آتا۔ بلکہ مشہور ہے کہ ان کی شہادت کا سبب ان کا انتہائی درجے کا عدل ہے۔ وہ ہر قسم کے ظلم وجور سے پاک تھے وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر ہفت اقلیم کی حکومت بھی مجھے دے دی جائے اور اس کے بدلے میں یہ کہا جائے کہ چیونٹی کے منہ سے چاول کا چھلکا چھین لوں تو میں اسے قبول نہیں کروں گا۔ انہوں نے فرمایا:

''واللهِ لو أُعْطيت الأَقاليم السبعة بما تحت أَفْلَاكها على ان اعصى الله فى نملةٍ أَسْلبها جلب شعيرةٍ مافَعَلْتُه'' (18)

رسول اللہ ﷺ کے بعد علی علیہ السلام قرآن مجید کی اس آیت "یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا قَوَّامِینَ بِالْقِسْطِ" (19) کے واضح ترین مصداق تھے۔ وہ کس طرح اپنے رب کی مخالفت کر سکتے تھے جبکہ اس کا فرمان ہے:

"إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ" (20)

ترجمہ: "بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔"

حضرت علی علیہ السلام کے عدل وانصاف کے متعلق ابن مردویہ سے روایت نقل ہوئی کہ جب علی علیہ السلام یمن سے واپس آئے (اور رسول خداؐ حج کے لئے روانہ ہو چکے تھے) تو اپنے لشکر کو پیچھے چھوڑ کر تیزی سے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچایا۔ ان کے لشکر میں ایک شخص نے قیمتی لباس (حلّے) جو آپ یمن سے لے کر آرہے تھے۔ خود بھی پہن لیا اور دوسروں کو بھی پہنچادیئے۔ جب وہ لشکر علی علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے ان کی سرزنش کی کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا تاکہ وہ لوگوں کے سامنے خوبصورت لگیں۔

آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہے لہٰذا یہ تم نے غلط کیا ہے۔

پس آپ نے ان سب سے لباس اتروا لیے۔ لشکر نے اس رویے پر ان کی شکایت کی۔ پھر جناب سعید خدری نے روایت کی ہے کہ اس موقعہ پر لوگوں نے رسول خدا ﷺ سے حضرت علی علیہ السلام کی توشکایت کی آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"ایھا النَّاسُ لَا تَشْکُوا عَلِیّا، فَوَاللہِ اِنَّہ لَاَخْیشَنُ فِی ذاتِ اللہِ من ان یُشْکٰی" (21)

ترجمہ: "اے لوگو! علیؑ کی شکایت نہ کرو، اللہ کی قسم! علیؑ، اللہ تعالیٰ کے (احکام کے) بارے میں بہت زیادہ سخت ہیں۔"

علامہ سیوطی نے کتاب اللالئ کے حاشیہ میں اور حافظ گنجی نے اپنی سند سے ابوہریرہ سے بیان کیا ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے کھجوریں پڑی تھیں۔ میں نے سلام کیا آنحضرت ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور مٹھی بھر کر مجھے کھجوریں عطا فرمائیں میں نے انہیں گنا

تو وہ تہتر (73) کھجوریں تھیں۔ پھر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت گیا ان کے پاس بھی کھجوریں پڑی تھیں پس میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا میری طرف مسکرائے اور مٹھی بھر کر مجھے کھجوریں عنایت کیں جب میں نے ان کو شمار کیا تو تہتر (73) کھجوریں تھیں۔ میں اس پر بہت حیران ہوا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دوبارہ آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں آپؐ کے پاس آیا، آپؐ کے سامنے کھجوریں تھیں آپؐ نے مٹھی بھر کر مجھے کھجوریں دیں میں نے گنا تو وہ تہتر (73) تھیں پھر میں علی علیہ السلام کی خدمت میں گیا انہوں نے مجھے ایک مٹھی بھر کھجوریں دیں جب میں نے شمار کیا تو وہ بھی تہتر (73) تھیں اس پر مجھے بہت تعجب ہوا ہے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

''یَا اَبَا ھُرَیْرَۃ، اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ یَدِی وَیَدَ علیّ ابن ابی طالب فی العَدْلِ سَوَاء''

ترجمہ: ''اے ابوہریرہؓ! کیا آپ نہیں جانتے کہ عدل میں میرا اور علی ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ یکساں اور برابر ہے۔'' (22)

اسی طرح ایک اور واقعہ میں جسے ابن مغازلی نے اپنی کتاب مناقب میں اور جوینی نے فرائد السمطین میں اپنی اسناد سے حبشی بن جنادہ سے نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آ کر کہا: یا خلیفۃ رسول اللہ، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے کھجور کی تین مٹھیاں بھر کر دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ علیؑ کو میرے پاس بلاؤ۔ علی علیہ السلام تشریف لائے آئے تو جناب ابوبکر نے کہا۔ اے ابوالحسنؑ یہ شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے تین مٹھی بھر کر کھجوریں دیں گے۔ پس اسے مٹھی بھر کر کھجوریں دیں پس حضرت علیؑ نے اسے تین مٹھی بھر کر کھجوریں دیں، پھر کہا کہ اسے شمار کرو تو جب میں نے گنا تو ہر مٹھی میں ساٹھ ساٹھ کھجوریں تھیں نہ ایک دانہ کم نہ زیادہ۔

''فقال ابوبکر۔ صدق اللہ و رسولہ، سمعت رسول اللہ ﷺ لیلۃ الھجرۃ ونحن خارجون من مکّہ الی المدینہ یقول: یا ابابکر کفّی و کفُّ علیّ فی العدل سواءٌ'' (23)

ترجمہ: ''پس ابو بکر نے کہا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے میں نے ہجرت کی رات جب ہم مکہ سے مدینہ کی طرف جارہے تھے، رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا! اے ابو بکر! عدل میں میرا ہاتھ اور علیؑ کا ہاتھ مساوی ہے۔''

اس روایت کو انہی الفاظ اور سند کے ساتھ علامہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، خوارزمی نے مناقب میں اور علامہ قندوزی نے ینابیع المودۃ میں کتاب الفردوس سے بیان کیا ہے۔ (24)

یہاں پر علی علیہ السلام کی حیات طیبہ میں سے عدل وانصاف کے چند نمونے ذکر کرتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے بیان کیا ہے ایک شخص حضرت علی علیہ السلام کے پاس بطور مہمان آیا چند دن وہ ان کے ہاں ٹھہرا۔ اس کے دل میں ایک بات تھی۔ جس کا اس نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ذکر نہیں کیا۔ درحقیقت اس کا کسی اور آدمی سے تنازعہ تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کا مخالف فریق آئے تو وہ امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں اپنا مسئلہ پیش کرے۔ جونہی اس نے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا:

''تحوّل عنّا فانّ رسول اللہ ﷺ نھی ان یضاف الخصم الّا ومعہ خصمہ'' (25)

ترجمہ: ''میرے ہاں سے چلے جاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مقدمے کی صورت میں کسی ایک فریق کو مہمان بنانے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ دونوں فریق قاضی کے مہمان ہوں۔''

ایک دفعہ کسی شخص نے خلیفہ ثانی حضرت عمر کے دور میں قاضی سے حضرت علی علیہ السلام کی شکایت کی۔ انہوں نے مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا خود عدالت کی کرسی پر بیٹھے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق عدالت میں فریقین مساوی طور پر ایک دوسرے کے برابر بیٹھیں۔ قاضی نے مدعی کا نام پکارا اور اسے اپنے سامنے معین جگہ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر حضرت علیؑ سے کہا: اے ابوالحسنؑ! آپ بھی مدعی کے برابر میں بیٹھ جائیں۔ یہ جملہ سن کر علی علیہ السلام کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور غصے کے آثار چہرے پر نمودار ہوئے۔ قاضی نے کہا کیا آپ کو مدعی کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ میری ناراضگی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں مخالف فریق کے ساتھ بیٹھوں بلکہ میری ناراضگی کا سبب یہ ہے کہ تم نے اسلامی عدالت کے اصولوں کا مکمل خیال نہیں رکھا کیونکہ تم نے میرا نام احترام سے لیا ہے اور میری کنیت سے بلایا ہے جبکہ میرے مدمقابل کو صرف نام سے پکارا ہے۔ (26)

حضرت علی علیہ السلام کے عدل وانصاف کا ایک اعلیٰ نمونہ خود ان کے اپنے دور خلافت کا ہے جب کوفہ میں امیر المومنین علیہ السلام ایک عیسائی کو قاضی کے پاس لے گئے اور اس کے خلاف دعویٰ دائر کیا کہ یہ زرہ میری ہے میں نے نہ اسے کسی کو بیچا اور نہ کسی کو بخشا ہے جبکہ یہ مجھے اس کے پاس سے ملی ہے۔" قاضی نے عیسائی سے کہا خلیفہ نے اپنا مدعا بیان کیا ہے تو کیا کہتا ہے؟اس نے کہا: یہ زرہ تو میری اپنی ہے اس کے باوجود میں خلیفہ کی تکذیب نہیں کرتا ممکن ہے انہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔

قاضی امیر المومنین سے مخاطب ہوا اور کہا آپ مدعی ہیں اور وہ منکر ہے، اِس بناء پر (اسلامی اصول کے مطابق) آپ کو اپنے دعوے پر گواہ پیش کرنا ہوں گے۔ علی علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا قاضی سچ کہتا ہے اب مجھے گواہ پیش کرنے چاہیں لیکن میرے پاس گواہ نہیں ہیں۔

قاضی نے گواہ نہ ہونے کی بناء پر عیسائی کے حق میں فیصلہ دے دیا اس نے بھی زرہ اٹھائی اور چلتا بنا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ زرہ کس کی ہے چند قدم چلنے کے بعد اس کا ضمیر بیدار ہوا واپس پلٹا اور کہا: یہ طرز حکومت اور رویہ کسی عام انسان کا نہیں ہو سکتا یہ تو انبیاء والا طرز حکمرانی ہے۔اس نے اعتراف کیا کہ یہ زرہ علی علیہ السلام کی ہے۔ کچھ ہی عرصے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور بڑے ایمانی جذبے اور شوق کے ساتھ علی علیہ السلام کے پرچم تلے جنگ نہروان میں شرکت کی۔

اس واقعے کو ابن کثیر نے تھوڑے فرق کے ساتھ اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ (27)

علی علیہ السلام کی عدالت کا ایک مظہر بیت المال کی تقسیم اور اس کی حفاظت اور اس کا حد درجہ خیال رکھنا ہے۔ روضۃ الکافی میں محمد بن جعفر عقبی سے نقل ہوا ہے کہ جب امیر المومنین علی علیہ السلام کی بطور خلیفہ بیعت کی گئی تو امیر المومنینؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بجالانے کے بعد فرمایا:

''اَیّها النّاس، اِنّ آدم لم یلد عبداً ولااَمةً ، وَاِنَّ النّاسَ کُلُّهُم احرارٌ، ولکنَّ الله خُوّل بعضکم بعضاً، فَمَنْ کان له بلاء فصبرفی الخیر، فلا یمنّ به علی الله عزّوجل اَلا وقد حَضَرَ شیئ ونحن مسوّون فیه بین الاسود والاحمر۔

فقال مروان لطلحة والزبیر ما اراد بهذا غیر کما''

ترجمہ: ''اے لوگو! آدم نے نہ کوئی غلام جنا اور نہ ہی کنیز، بتحقیق سب انسان آزاد اور حر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض کے اختیار میں دیا ہے پس جو بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے یا آزمائش میں پڑتا ہے اور وہ صبر کرتا ہے۔ اس میں بھلائی ہے۔ اس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتلائے (بلکہ اللہ تعالیٰ کا اس پر احسان ہے کہ اس نے صبر کی توفیق دی۔ آگاہ رہو جو چیز (خراج سے) حاصل ہو گی ہم اسے گورے اور کالے کے درمیان بطور مساوی تقسیم کریں گے۔ اس پر مروان نے طلحہ اور زبیر سے کہا اس سے مراد تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔''

راوی کہتے ہیں پھر علی علیہ السلام نے ہر ایک کو تین دینار عطا کیے۔ انصار میں سے ایک شخص کو تین دینار دیے اور ایک حبشی غلام آیا تو اسے بھی آپ نے تین دینار دیئے۔ انصاری نے کہا اے امیر المومنین! یہ غلام ہے جیسے میں نے کل آزاد کیا ہے۔ آپ مجھے اور اس کو برابر قرار دے رہے ہیں؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: "میں نے اللہ کی کتاب میں غور کیا ہے اور دیکھا ہے مجھے اسحاق کی اولاد پر اسماعیل کی اولاد کی کوئی برتری نظر نہیں آئی۔" (28)

ابن عبد البرّ مالکی اپنی کتاب الاستیعاب میں بیان کرتے ہیں۔

جب علی علیہ السلام کے پاس کوئی مال آتا تو آپ سارا کا سارا تقسیم کر دیتے اور ذرا برابر باقی نہ رکھتے۔ بیت المال میں صرف وہ مال بچ جاتا جو اس دن تقسیم کرنے سے عاجز ہوتے اور فرماتے: یا دینا غُرِّی غیری "اے دنیا میرے غیر کو دھوکا دے علیؑ تیرے فریب میں آنے والا نہیں۔

مالیات کو اکٹھے کرنے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے کسی دوست اور قریبی کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ مختلف علاقوں میں گورنر متعین کرتے وقت اہل دین و دیانت کو مقرر فرماتے تھے۔ اور جب کبھی ان کی طرف سے خیانت کی اطلاع ملتی تو فوراً انہیں لکھتے:

''قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ'' (29)

ترجمہ: ''تمہارے پروردگار کی طرف سے (یہ قرآن) تمہارے پاس نصیحت ہے۔''

''وَاَوْفُواْ الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ'' (30)

ترجمہ: ''اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو۔''

''وَلاَ تَبْخَسُواْ النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلاَ تَعْثَوْاْ فِي الأَرْضِ مُفْسِدِينَ۔ بَقِيَّةُ اللّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَمَا أَنَاْ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ''(31)

ترجمہ: ''اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اللہ کی طرف سے باقی ماندہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر نگہبان تو نہیں ہوں۔''

آپ اسے لکھتے، جب میرا یہ خط تجھے موصول ہو جو کچھ تیرے پاس ہے اسے محفوظ رکھو یہاںتک کہ میں کوئی ذمہ دار شخص بھیجوں جس کے تم حوالے کردو۔ پھر اپنا منہ آسمان کی طرف کرکے کہتے تھے: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے انہیں مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا ورنہ ہی میں نے تیرے حکم کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔(32)

جب آپؑ کے بھائی حضرت عقیلؑ نے بیت المال میں سے کچھ زیادہ حصہ مانگا تو آپ نے لوہے کی سلاخ کو گرم کرکے ان کے قریب کیا تاکہ اپنے بھائی کو سمجھائیں کہ میں ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ یہ ظلم اور ناانصافی ہے۔ اس واقعہ کو آپ خود بیان فرماتے ہیں:

''بخدا میں نے عقیلؑ کو سخت فقر وفاقہ کی حالت میں دیکھا، یہاں تک کہ وہ تمہارے (حصہ کے) گیہوں میں ایک صاع مجھ سے مانگتے تھے اور میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے اور فقر و بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہو چکے تھے گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کردیئے گئے ہیں، وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دھرایا میں نے ان کی باتوں کو کان دے کر سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھ اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا مگر میں نے یہ کیا کہ ایک لوہے کی سلاخ کو گرم کیا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا۔ تاکہ وہ عبرت حاصل کریں چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد و کرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا بدن اس داغنے سے جل جائے۔ پھر میں نے کہا اے عقیل! رونے والیاں تم پر روئیں کیا تم اس لوہے کے ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں تپایا ہے اور تم مجھے اس آگ کی طرف دعوت دے رہے ہو جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے تو تم اذیت سے چیخو اور میں جہنم کے شعلوں سے نہ چلاؤں۔'' (33)

اسی خطبے کی ابتداء میں انہوں نے فرمایا:

''وَاللہ لَاَنْ اَبِیْتَ عَلٰی حَسَکِ السَّعْدَانِ مُسَھَّدًا، وَ اُجَرَّ فِی الاَ غْلَالِ مُصَفَّدًا، اَحَبُّ اِلَیَّ مِن اَنْ اَلْقَی اللہَ ورَسُولَہُ یومَ القیامۃِ ظالِماً لِبَعْضِ العِبَادِ، وَغَاصِبًا لِشَیْءٍ مِنَ الحُطَامِ، وَکَیْفَ اَظْلِمُ اَحَداً لِنَفْسٍ یُسْرِعُ اِلَی البِلٰی قُفُولُھَا وَیَطُولُ فِی الثریٰ حُلُولُھَا'' (34)

ترجمہ: "خدا کی قسم! مجھے سعدان (ایک خاردار جھاڑی ہے جیسے اونٹ چرتا ہے) کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنا اور طوق وزنجیر میں مقید ہو کر گھسیٹا جانا اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی بندے پر ظلم کیا ہو یا مال دینا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو، میں اس نفس کی خاطر کیوں کر کسی پر ظلم کر سکتا ہوں جو جلد ہی فنا کی طرف پلٹنے والا اور مدتوں تک مٹی کے نیچے پڑا رہنے والا ہے۔"

علی علیہ السلام کے عدل وانصاف کا ایک اور پہلو نسل پرستی کا خاتمہ ہے، ان کے نزدیک سب برابر تھے۔ ایک دفعہ ایک عرب عورت اور ایک عجمی عورت کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور یہ معاملہ علی علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچا تو علی علیہ السلام نے دونوں کے درمیان مساوات کا سلوک کیا اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا اس پر عرب خاتون نے سخت اعتراض کیا، اس وقت علی علیہ السلام نے دونوں ہاتھوں میں زمین سے مٹی اٹھائی اور مٹی کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

میں جتنا بھی غور کرتا ہوں مجھے خاک کی ان دو مٹھیوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا"

علی علیہ السلام نے اس لطیف عملی مثال کے ذریعے آنحضرت ﷺ کے مشہور قول کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"کلکم لادم و آدم من تراب لافضل لعربی علی عجمی الّا بالتقویٰ"

ترجمہ: ''سب آدم کی اولاد میں اور آدم مٹی سے بنے ہیں کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔''

پس فضیلت کا معیار تقویٰ ہے، نسل، نسب اور قومیت معیار فضیلت نہیں ہے جب سب آدم کی اولاد ہیں تو پھر نسل پرستی کیسی؟

یہ تھے علی علیہ السلام کے عدل وانصاف کے چند پہلو جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ سب پہلو قرآن کی تعلیمات کی عملی تصویر ہیں یہ علی علیہ السلام ہی کا کمال ہے کیونکہ قرآن ان کے رگ وپے میں سرایت کرچکا تھا وہ قرآن کی روح سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔

*****

حوالہ جات

1۔ نہج البلاغۃ۔ خطبہ قاصعہ (اردو ترجمہ خطبہ۔190، ص45، 544

2۔ عاملی، شیخ حر، وسائل الشیعہ ج 27 ص 33، مسند احمد بن حنبل، ج3، ص17 صحیح ترمذی، ج2، ص308

3۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، باب احوال ام سلمہ، ج22، ص223، موسسہ الوفاء بیروت، لبنان، 1414 ہجری۔

4۔ مستدرک علی الصحیحین، ح4685، لطبرانی۔ المعجم الصغیر۔ الجزء (ا) ص: 255 ح 721۔۔المعجم الاوسط ج (۵) ص:135 ح5037،الموفق الخوارزمی۔ المناقب: ص:260، ح214،القندوزی الحنفی ینابیع المودۃ: ج۱، ص124، ح56، القندوزی الحنفی ینابیع المودۃ، ج2، ص403، ح54، ابن الحجر السیثمی: الصواعق المحرقہ، ص191، دارالکتب العلیہ، بیروت 1983۔

5۔بحار الانوار، ج8، ص456(بی تا)

6۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، فضائل الصحابہ ومن فضائل علیؑ، حدیث 1047،ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، سنۃ اربعین من المہجرۃ النبویۃ، حدیث: الصدقہ بالخاتم وھورا کع، ج11، ص101، باب ذکر شیئ من فضائل امیر المومنین علی بن ابی طالب۔ابن الاثیر اسد الغابۃ، ج4، ص32،حاکم،مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابہ علی مع القرآن والقرآن مع علی، حدیث 4605، ھیثمی ، مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب باب فی قتالہ ومن یقاتلہ، ج9، ص133۔طبرانی، معجم الصغیر، ج1، ص255، حدیث 721، بیہقی، دلائل النبوۃ، جماع ابواب غزوۃ تبوک، حدیث 2753،نسائی، سنن الکبریٰ، کتاب الخصائص، حدیث 7313

7۔مقدمہ تفسیر البرہان۔16

8۔حلیۃ الاولیاء، ص67/1

9۔انساب الاشراف 99/1

10۔بحارالانوار۔ج40، ص38

11۔کلینی، محمد یعقوب۔ اصول کافی، ج1، کتاب فضل العلم، باب اختلاف الحدیث، ج1، ص108 (ترجمہ فارسی) حدیث۱، انتشارات اسوہ، قم 1370 ہوشمسی۔

12۔البلاغی، محمد جواد، الاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن، ص38، قم، مکتبۃ الوحدانی

13۔الاتقان233/4

14۔الکافی، ج۱، ص۱۸۹۔۱۹۰

15۔حدید:25

16۔مائدہ:42

17۔النساء:58

18۔ابن شہر آشوب۔ المناقب ج2، ص109

19۔النساء: 135

20۔النساء: 135

21۔ ابن شہر آشوب۔ المناقب ج2، ص110

22۔اسے سیوطی نے اللائی کے حاشیہ ص54، حافظ گنجی فی الباب 62، ص256

23۔ابن مغازلی الشافعی، مناقب ص129، ح170، جوینی فرائد السمطین ج1، ص50، ح15، الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ۔

24۔خطیب بغدادی، ج5، ص37؛ خوارزمی، مناقب ص235؛ قندرزی، ینابیع المودۃ ص233؛ الفردوس ج5، ص305، ح8265۔

25۔الحرالعاملی، شیخ محمد بن حسن، وسائل الشیعہ، تحقیق شیخ عبدالرحیم ربانی شیرازی، ج18، 157، الکلینی، ابوجعفر محمد بن یعقوب (متوفی328) (25)

26۔جورج جراق، الامام علی صوت العدالۃ الانسانیۃ۔ ص49، شرح، نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، چاپ بیروت، ج4، ص185

27۔ابن اثیر، الکامل، ج3، ص104، الامام علی صوت العدالۃ الانسانیۃ، ص23، بحار، ج9، (چاپ تبریز) ص598

28۔الکلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، روضۃ الکافی، ص69، حدیث26) ، الروضۃ الکافی، تصحیح علی اکبر غفاری، ص69، ج26 دارالکتب الاسلامیہ، طہران۔

29۔یونس:57

30۔انعام:152

31۔(ہود:85۔86)

32۔الاستیعاب بہامش الاصابۃ، ج3، ص48

33۔نہج البلاغہ اردو ترجمہ مفتی جعفر حسین، خطبہ 221، ص624، 625

34۔نہج البلاغہ اردو ترجمہ مفتی جعفر حسین، خطبہ 22، ص624

عصمت نبی اکرم ﷺ

سید مزمل حسین نقوی*
muzammilhussainnaqvi5@gmail.com

کلیدی کلمات: عصمت، علم کلام، عقلی قباحت، مخلص،

خلاصہ

بلاشک و شبہ انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کی تربیت کرنا ہے۔ تربیت اس وقت موثر ہو سکتی ہے جب مربی پسندیدہ صفات کا حامل ہو۔ اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انبیاء بعثت کے بعد یا بعثت سے پہلے اپنی پوری زندگی میں گناہوں سے دور رہیں، کیونکہ اگر کسی شخص نے اپنی عمر کا تھوڑا سا حصہ بھی گناہوں میں گزارا ہو تو ایسا شخص لوگوں کو اپنے قول و فعل سے متاثر نہیں کر سکتا۔ جب لوگ اس سے متاثر نہیں ہوں گے تو اس کے آنے کا مقصد ختم ہو جائے گا۔ اس عقلی دلیل کے علاوہ بہت سی آیات بھی انبیاء کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن انبیاء کو مخلص کہتا ہے۔ یعنی اللہ کے خالص بندے جنہیں شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ عصمت انبیاء پر روائی دلائل بھی موجود ہیں۔ اس مقالے کا موضوع عصمت رسول ﷺ ہے اور اس میں ان آیات کی درست تفسیر اور تأویل پیش کی گئی ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ آپ سے کوئی خطا اور خلافِ عصمت فعل سرزد ہوا۔

*۔ ڈائریکٹر نور الہدیٰ فاصلاتی نظام تعلیم، بارہ کہو اسلام آباد

تعارف

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد انسانوں کی تربیت اور ان کی رہنمائی ہے۔ تربیت اس وقت موئثر ہو سکتی ہے جب مربی ایسی صفات کا حامل ہو جو پسندیدہ ہوں۔ اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر اس کی تمام تر رہنمائی بیکار ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی ڈاکٹر شراب کے نقصانات پر زور دیتا ہو اور لوگوں کو اس کے پینے سے منع کرتا ہو، لیکن خود شراب پیتا ہو تو شراب کے خلاف اس کی تمام تحریریں اور تقریریں بے کار جائیں گی۔ اس طرح اگر دینی رہبر خود گناہ کرتا ہو تو دوسرے کیسے اس کی بات مان سکتے ہیں۔ لہٰذا انبیائے کرام کے لیے ضروری ہے کہ وہ بعثت کے بعد یا بعثت سے پہلے اپنی پوری زندگی میں گناہوں سے دور رہیں۔ ان کا دامن ہر قسم کے قول و فعل کی کمزوری سے پاک ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر کسی شخص نے اپنی عمر کا تھوڑا سا حصہ بھی لوگوں کے درمیان گناہ اور معصیت میں گزارا ہو تو ایسا شخص بعد میں لوگوں کے دلوں میں گھر نہیں کر سکتا اور انہیں اپنے قول و فعل سے متاثر نہیں کر سکتا۔ جب لوگ اس سے متاثر نہیں ہوں گے تو اس کی بات کیسے سنیں گے۔ اس طرح اس کے آنے کا مقصد ختم ہو جائے گا۔ جیسے علم کلام کی اصطلاح میں نقض غرض کہا جاتا ہے۔ جو عقلی طور پر قبیح ہے۔ اور خدا سے فعل قبیح سرزد نہیں ہوتا۔ اس عقلی دلیل کے علاوہ بہت سی آیات اور روایات بھی انبیاء کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔

عصمت انبیاء پر قرآنی دلائل

۱۔ قرآن بعض افراد کو "مُخْلَصْ" کہتا ہے۔ یعنی اللہ کے خالص بندے۔ یہ ایسے افراد ہیں جنہیں شیطان بھی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَO إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ" (1)

ترجمہ: "اس نے کہا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکادوں گا مگر ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہوں۔"

شیطان کا کام ہی گمراہ کرنا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر شخص کو گمراہ کیا جائے۔ اس کا یہ کہنا کہ مخلص کو گمراہ نہیں کروں گا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں گمراہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ ہے

کہ یہ ''مُخْلَصْ'' کون ہیں؟ جواب یہ ہے کہ مخلصین کا اہم ترین مصداق انبیاء علیہم السلام ہیں۔ قرآن میں بہت سے انبیاء کا نام لے کر انہیں مخلصین کہا گیا ہے۔

''وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ O إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ'' (2)

ترجمہ: ''اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو طاقت اور بصیرت کے حامل تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص صفت کی وجہ سے مخلص بنایا ہے اور وہ صفت آخرت کا ذکر ہے۔''

اس طرح سورۂ مریم میں ہے:

''وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا'' (3)

ترجمہ: ''اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو جو کہ مخلص اور نبی تھے۔''

سورۂ یوسف میں خدا فرماتا ہے:

''إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ'' (4)

ترجمہ: ''یقیناً وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی قید یا شرط نہیں لگائی، بلکہ مطلق کہا ہے کہ ان کی اطاعت کرو۔ جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے:

''وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ'' (5)

ترجمہ: ''اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر صرف اس لئے کہ حکم خدا سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

مطق اطاعت اسی صورت میں صحیح ہے جب وہ خدا کی اطاعت کی طرح ہو۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت کے منافی نہ ہو۔ وگرنہ تناقض اور تضاد پیش آئے گا۔ اس حوالے سے فخر الدین رازی اپنی کتاب مفاتیح الغیب جو کہ تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے میں آیت ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اولیٰ امر کی اطاعت کا حکم دیا ہے لہٰذا اس کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ خطا اور گناہوں سے معصوم نہیں ہوگا۔ بعض اوقات گناہ کا مرتکب ہوگا تو حکم خدا سے اس کی اطاعت ضروری ہوگی۔ دوسری طرف چونکہ گناہ ہے اور خدا نے گناہ کرنے سے منع کیا ہے تو لازم آئے گا کہ ایک طرف خدا اس کا حکم دے رہا ہے اور دوسری طرف اس سے منع کر رہا ہے۔ یہ تناقض ہے جو کہ عقلی طور پر قبیح ہے اور خدا سے قبیح سرزد نہیں ہوتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اولیٰ امر معصوم ہو۔ (6)

فخر الدین رازی کے استدلال سے ثابت ہوتا ہے کہ اولی امر کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ یہی استدلال اطیعوا الرسول میں آئے گا۔ لہٰذا رسول کا معصوم ہونا بھی ضروری ہے۔

عصمت انبیاء پر روائی دلائل

۱۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"الانبیاء والاوصیاء لاذنوب لھم لانھم معصومون مطھرون" (7)

ترجمہ: "انبیاء اور اوصیاء کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے کیونکہ وہ پاکیزہ اور معصوم ہوتے ہیں۔"

۲۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں:

"انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطھرون معصومون" (8)

ترجمہ: "میں اور علی اور حسن اور حسین اور حسین کی اولاد سے نو فرزند پاکیزہ اور معصوم ہیں۔"

ان عقلی اور نقلی دلائل کے ہوتے ہوئے اگر کسی آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ کسی نبی سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو اس میں ہمارے فہم کا قصور ہے۔ یعنی جو ہم سمجھ رہے ہیں، آیت وہ نہیں کہہ رہی۔ بلکہ کسی اور مطلب کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کی طرف ہم نے توجہ نہیں کی۔ اگر ان آیات سے انبیاء کا گناہ ثابت ہو تو یہ آیات ان آیات سے ٹکرا جائیں گی جو ان کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس طرح آیات میں تضاد لازم آئے گا۔ حالانکہ قرآن اس کی نفی کرتا ہے۔

چونکہ اس مقالے کا موضوع عصمت رسول عربی ﷺ ہے لہٰذا ہم صرف ان آیات کا ذکر کریں گے جو آنحضرت ﷺ کے متعلق ہیں اور جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ آپ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے

جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپؐ کی سرزنش کر رہا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جو آپ کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔

ا۔ وہ آیات جو آپؐ کی اطاعت کا حکم دیتی ہیں

1. ''قُلْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ '' (9)

ترجمہ: '' کہہ دیجئے: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔ ''

2. ''وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ '' (10)

ترجمہ: '' اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ''

اس طرح کی بیس (20) آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے۔ یہ اطاعت مطلوب ہے، ان آیات میں ایسی کوئی شرط نہیں لگائی گئی کہ فلاں وقت میں اطاعت کرنی ہے اور فلاں میں نہیں۔ فلاں کام میں اطاعت کرنی ہے، فلاں میں نہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہر فعل اور ہر قول خدا کی نگاہ میں صحیح ہے اور جو فعل اور قول خدا کی نگاہ میں صحیح ہو وہ گناہ کے زمرے میں نہیں آتا۔

۲۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (11)

ترجمہ: '' اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو یقیناً خدا کا عذاب بڑا سخت ہے۔ ''

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنا ہی تقویٰ الٰہی ہے اور ان کی نافرمانی سخت عذاب کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ رسول خدا ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور ان کی فرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی گویا اس نے خدا کی اطاعت کی۔

پس اجر وثواب اور سزا وعذاب کا دار ومدار خدا کی اطاعت و نافرمانی پر ہے۔ کیا یہ عدل الٰہی کے منافی نہیں ہے کہ عام انسان خدا کی نافرمانی کرے۔ تو سزا کا مستحق قرار پائے اور رسولؐ نافرمانی کرے تو سزا سے محفوظ رہے۔

۳۔ ''وَإِن كَادُواْ لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذاً لاَّتَّخَذُوكَ خَلِيلاً وَلَوْلاَ أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلاً '' (12)

ترجمہ: ''اور یہ لوگ آپ کو اس وحی سے منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو ہم نے آپ پر کی ہے تاکہ آپ وحی سے ہٹ کر کوئی اور بات گڑ کر ہماری طرف منسوب کریں ایسی صورت میں وہ ضرور آپ کو دوست بنالیتے۔ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو یقیناً آپ کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ہو جاتے''

یہاں بعض مفسرین نے اس کے شان نزول کو دیکھتے ہوئے آنحضرت کو غیر معصوم قرار دیا ہے۔ ایک شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول خداﷺ سے کہا کہ وہ ہمارے خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہیں اور غلاموں اور بہت لوگوں جو کہ آپ پر ایمان لا چکے ہیں کو خود سے دور رکھیں تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر قرآن سن سکیں یا دوسری روایت کے مطابق مشرکین نے آپ سے کہا آپ ایک دفعہ ہمارے خداؤں کو سلام کردیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ قریب تھا کہ آنحضرت ﷺ راضی ہو جاتے لیکن آیت نے سخت لہجے میں آپؐ کو منع کر دیا۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہی آیت آپ کی عصمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ کو منحرف کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ابھی انہوں نے آپ کو منحرف نہیں کہا۔ ان کی یہ کوشش کامیاب کیوں نہیں ہوئی۔ آگے والی آیت اس کا جواب دے رہی اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تو تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہو جاتا ہے: ''وَلَوْلا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلا ''یعنی: '' اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تو تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہو جاتا۔''

یہ آیت دو جملوں سے مرکب ہے۔ وَلَوْلا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ جو کہ شرط ہے اور لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم تجھے نبوت اور عصمت کے ذریعے ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ مائل ہو جاتا۔ مفہوم یہ ہے کہ چونکہ ہم نے تجھے ثابت قدم رکھا ہے اس لئے تو ان کی طرف مائل ہی نہیں ہوا نہ صرف مائل نہیں ہوا بلکہ میلان کے قریب بھی نہیں ہوا چونکہ " وَلَوْلا کی جزا لَقَدْ كِدْتَ " ہے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں۔

اگرچہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب اتنے لوگ اصرار کر رہے ہوں تو مان لیا جائے، لیکن رسول خدا ﷺ ایسا نہیں کرتے چونکہ خدا نے انہیں دین پر واجبات کی ادائیگی، محرمات سے اجتناب اور ہر قسم کی خطا سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ صرف اس واقعہ میں نہیں ہے کہ خدا نے انہیں بچایا ہے۔ بلکہ یہ ثابت قدمی ہر موقعہ اور ہر حال میں ہے۔ جس طرح دوسری آیت ہے:

" وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلاَّ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ وَأَنزَلَ اللّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا " (13)

ترجمہ: " اگر آپ پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ایک گروہ نے آپ کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا یہ خود تو گمراہ کر سکتے ہیں لیکن تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور جو تیرے پاس نہیں تھا وہ سب علم تجھے دے دیا اور خدا کا آپ پر بہت بڑا فضل و کرم ہے۔"

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نہ احکام الٰہی بیان کرنے میں غلطی کرتے ہیں نہ کسی فیصلہ کرنے میں غلطی کرتے اور نہ کوئی غلط کام انجام دیتے ہیں چونکہ خدا نے انہیں کتاب بھی دی ہے حکمت بھی وہی ہے اور ہر شے کا علم بھی دیا اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔

اب ہم ان آیات اور روایات کا ذکر کرتے ہیں جن سے بعض افراد نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ سے غلطی ہوئی تھی اور خدا نے آپ کو سرزنش کی ہے۔ یہ آیات مختلف انداز کی ہیں۔ بعض آیات جملہ شرطیہ کی شکل میں ہیں۔ بعض میں استغفار کی بات ہوتی ہے۔ بعض میں معاف کرنے کی

بات ہوئی ہے۔ بعض میں ذنب کا لفظ آیا ہے۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ سے کچھ ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں کہ قرآن یہ باتیں کر رہا ہے۔ دراصل ان آیات کا مقصد کچھ اور ہے جنہیں بعض افراد نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

ا۔وہ آیات جو جملہ شرطیہ کی شکل میں ہیں۔

الف: سورہ بقرہ میں خدا فرماتا ہے:

'' وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيرٍ '' (14)

ترجمہ: '' علم کے آنے کے بعد بھی اگر آپ نے یہود و نصاریٰ کی پیروی کی تو پھر خدا کے عذاب سے بچانے والا نہ کوئی سرپرست ہوگا نہ مددگار۔ ''

جبکہ آیت ۱۴۵ میں فرمایا:

''وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُواْ قِبْلَتَكَ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذاً لَّمِنَ الظَّالِمِينَ '' (15)

ترجمہ: ''اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے ہر قسم کی نشانی لے آئیں پھر بھی یہ لوگ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کی اتباع کرنے والے ہیں اور نہ ان میں سے کوئی دوسرے کے قبلے کی اتباع کرنے پر تیار ہے اور (پھر بایہ ہے کہ) آپ کے پاس جو علم آچکا ہے اس کے بعد بھی اگر آپ لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگیں تو آپ زیادتی کرنے والوں میں ہوں گے۔''

ب: سورہ زمر میں ہے:

''وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ'' (16)

ترجمہ: ''اور آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والوں کی طرف یہی وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

ج: سورہ حاقہ میں ہے:

''وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ O لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ '' (17)

ترجمہ: ''اور اگر یہ رسول ہماری طرف سے کوئی بات گھڑ لیتا تو ہم اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے اور پھر اس کی گردن اڑا دیتے۔''

ان آیات میں حرف شرط استعمال ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نہ شرط واقع ہوئی ہے نہ جزا۔ جس طرح ہم کسی فعل ہونے والے بچے سے کہتے ہیں اگر تم محنت کرتے تو پاس ہو جاتے۔ اس جملے سے معلوم ہوا ہے کہ بچے نے محنت نہیں کی۔ اس پاس بھی نہیں ہوا۔ گویا شرط اور جزا دونوں واقع نہیں ہوئیں۔ مذکورہ آیات بھی اسی طرح ہیں۔ اگر آپ اہل کتاب کی خواہشات کا اتباع کرتے تو ظالم کہلاتے۔ نہ آپؐ نے ان کی پیروی کی نہ آپ کا شمار ظالموں میں ہوا۔ اگر آپ شرک کرتے تو اعمال ضائع ہو جاتے۔ نہ آپ نے شرک کیا نہ آپ کے اعمال ضائع ہوئے۔ اگر آپ خدا کی طرف کوئی من گھڑت بات منسوب کرتے تو خدا دآپ کی گردن اڑا دیتا۔ نہ آپ نے کوئی بات منسوب کی نہ آپ کی گردن اڑائی گئی۔ مختصر یہ کہ جزا کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شرط بھی واقع نہیں ہوئی۔ جس طرح سورہ انبیاء آیت ۲۲ میں ہے کہ ''لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا'' اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔ یہاں زمین و آسمان کا قائم رہنا اور تباہ نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں ہے۔

اب یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب اس طرح نہ ہوا ہے اور نہ ہونا ہے تو ان آیات کے بیان کرنے کا مقصد کیا ہے؟ کیونکہ قرآن کی کوئی آیت بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہوئی، بلکہ کسی نہ کسی حکم یا نکتے کو بیان کر رہی ہوتی ہے۔ یہاں ہم چند ممکنہ نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف: یہ آیات رسول خدا ﷺ کی انسانی فطرت کی طرف اشارہ کرتی ہیں، یعنی رسول بھی ایک انسان ہے اور جس طرح عام انسانوں سے گناہوں کا سرزد ہونا ممکن ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی گناہ کرنے پر قادر ہیں۔ اس کے باوجود گناہ نہیں کرتے اور ان کا کمال ہے۔ اگر کوئی گناہ پر قادر نہ ہو اور گناہ نہ کرے تو اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے۔ ایک شخص پیدائشی اندھا ہو اور یہ کہے

کہ میں نے آج تک کسی نامحرم کو نہیں دیکھا تو اگرچہ اس سے یہ گناہ نہیں ہوا، لیکن اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے۔ ہاں آنکھوں والا کہے کہ میں نے نہیں دیکھا تو یہ کمال ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام گناہوں پر قادر ہوتے ہیں، لیکن عظمت الٰہی اور گناہوں کی پستی کی بناپر ان کے مرتکب نہیں ہوتے اور یہی ان کا کمال ہے۔ اسی بناء پر خدا کی ان پر خصوصی عنایت ہوتی ہے اور وہ مقام عصمت پر فائز ہوتے ہیں۔

ب: ان آیات کا ایک ہدف لوگوں کی تربیت کرنا اور ایسے گناہوں سے اجتناب کرنے کی تاکید کرنا بھی ہے۔ اس طرح کا انداز بیان خود سر اور متکبرانہ سوچ رکھنے والے افراد کے لئے مفید ہوتا ہے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کردیتا ہے کہ اگر ایسا گناہ کرنے پر خدا اپنے نبی کے لئے بھی سزا کی بات کرتا ہے تو وہ تو نبی سے افضل نہیں ہے اور نہ ہی نبی سے زیادہ خدا کو محبوب ہے کہ اگر وہ گناہ کرے گا تو خدا کچھ نہیں کہے گا۔

چونکہ اس طرح کے خطاب لوگوں پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اس لئے ایسے انداز ہر زبان میں موجود ہیں۔ مثلاً عربی میں ہے'' ایاك اعنی واسمعی یا جاریه''یعنی: کہہ تو تمہیں رہی ہوں لیکن اے پڑوسن مراد تو ہے۔" یا اردو میں کہا جاتا ہے: "کہوں بیٹی کو سناؤں بہو کو۔" اسی طرح فارسی میں کہتے ہیں بہ درمی گویم تا دیوار بشنود۔ یعنی: "دروازے کو کہوں تاکہ دیوار سن لے۔" مختصر یہ کہ ایسے انداز بیان میں مخاطب سامنے والا ہوتا ہے لیکن مراد کوئی اور ہوتا ہے۔ یہاں بھی خطاب رسول خدا ﷺ سے ہورہا ہے لیکن مراد دوسرے افراد ہیں۔

۲۔ وہ آیات جن میں آپ کو استغفار کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

الف: سورہ نساء آیت ۱۰۶ میں خدا فرماتا ہے:

''وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا''

ترجمہ: ''اور اللہ سے طلبِ مغفرت کیجئے یقیناً خدا جزا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

ب: سورہ غافر آیت ۵۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

''فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ''

ترجمہ : ''پس صبر کیجئے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اپنے گناہ کے لئے استغفار کریں اور صبح وشام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔''

ج : سورہ محمد آیت ۱۹ میں ہے :

''فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ''

ترجمہ : ''پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومنین اور مومنات کے لئے بھی اور اللہ تمہاری آمدورفت اور ٹھکانے کو جانتا ہے۔''

بعض افراد کا خیال ہے کہ چونکہ استغفار وہاں ہوتی ہے جہاں غلطی ہوتی ہو۔ اگر غلطی نہ ہو تو معذرت کیسی؟ کسی چیز سے معافی مانگی جارہی ہے۔ خدا کا، رسول خدا ﷺ کو استغفار کا حکم دینا اور آپ کا معافی طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اسی غلطی کو شرعی اصطلاح میں گناہ کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عظمتِ خدا، مسئولیت انبیاء اور ان کا صاحب معرفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ذمہ درایاں بھی زیادہ ہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کوئی ایسا فعل ہو جو عام انسان کے لئے جائز ہو، لیکن انبیاء کے لئے غلطی اور خطا کے زمرے میں آتا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شرعی لحاظ سے واجبات کا ترک کرنا اور محرمات کا بجالانا گناہ ہے۔ مستحب کا ترک کرنا اور مکروہات کا بجالانا گناہ شمار نہیں ہوتا۔ لیکن بعض اوقات زمان ومکان اور مکلّف کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے ایسا کرنا بُرا تصور کیا جاتا ہے جسے اصطلاح میں ترک اولیٰ کہا جاتا ہے۔

ٹھیک ہے کہ مستحبات کا بجالانا اور مکروہات کا ترک کرنا انسان کو باکمال بنادیتا ہے۔ اور ایسا نہ کرنا گناہ نہیں ہے۔ ممکن ایک باکمال انسان جب اپنی حیثیت اور خدا کی عظمت کو دیکھتا ہے تو اسے مستحبات کا بجانہ لانا اور مکروہات کا بجالانا گناہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے لئے بخش کی دعا مانگتا ہے۔ اپنے اس عمل پر پیشمان ہوتا ہے۔ توبہ واستغفار کرتا ہے۔ حالانکہ وہ شرعی لحاظ سے گناہ نہیں ہے۔

ایک عمل خاص شرائط کے ساتھ اچھا یا کم از کم بُرا تصور نہیں کیا جاتا لیکن وہی عمل بعض مخصوص حالات میں بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے درج ذیل مثالوں پر غور کیجئے۔

1) ایک عام انسان کی زندگی پر نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ معاشرتی آداب میں سے چند ایک پر کاربند ہوتا ہے۔ اس کے کھانے پینے، اٹھنے ، بیٹھنے، ملنے ملانے اور کام کرنے کے اپنے آداب ہوتے ہیں لیکن وہ پڑھے لکھے اور مہذب افراد جیسے آداب سے عاری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے علماء کے ادب وآداب کی امید رکھنا فضول ہے۔ یہی وجہ ہے جب وہ ان آداب کا خیال نہیں رکھتا تو کوئی بھی اس کی مذمت نہیں کرتا۔ اسے بُرا تصور نہیں کیا جاتا۔ لیکن اگر ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ان آداب کا خیال نہ رکھے تو اسے سرزنش کی جاتی ہے۔ اور اسے خلاف ادب قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کم پڑھے لکھے اور زیادہ پڑھے لکھے الگ الگ آداب کے حامل ہوتے ہیں وہی حرکت جو ایک کے لئے مباح اور جائز ہوتی ہے دوسرے کے لئے قابل گرفت ہوتی ہے۔ یہی حال عام انسان اور انبیاء کا ہے۔ بہت سی باتیں اور افعال جو ہمارے لئے جائز اور مباح ہیں، لیکن نبی اسے اپنے لئے خلاف ادب سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر کبھی اس سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے تو وہ استغفار کرتا ہے۔

2) مکتب عشق میں عاشق کا تمام وجود معشوق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اس سے ایک لمحے کی غفلت بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ضروری کام کی وجہ سے اس کی توجہ ایک لمحے کے لئے معشوق سے ہٹتی ہے تو وہ خود کو مجرم سمجھتا ہے۔۔ابن ابی الفتح اربلی کہتے ہیں:

"انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہمیشہ خدا کی یاد میں رہتے ہیں اور قربِ خدا کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک لمحے کے لئے بھی یادِ خدا سے غافل نہ رہیں لہٰذا جب وہ کھانے ، پینے، سونے جیسے دنیاوی کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو خود کو غفلت کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ اسی لئے بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتے ہیں۔ بخش کی دعا مانگتے ہیں کیا تم دنیا میں ایک غلام کو نہیں دیکھتے جب وہ کھانا کھا رہا ہے۔ یا سو رہا ہے اور اس کا مالک اسے دیکھ رہا ہے تو وہ خود کو ملامت کرتا ہے کہ میرا مالک دیکھ رہا ہے اور میں کھا رہا ہوں مجھے تو مالک کی خدمت کرنی چاہیئے تھی۔"(18)

انبیاء علیہم کا استغفار اسی سلسلے میں ہوتا ہے نہ کہ گناہ کی وجہ سے جیسا کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

''ان رسول اللہ کان یتوب الی اللہ فی کل یومٍ سبیعن مرۃ من غیر ذنب '' (19)

ترجمہ: ''رسول خدا ﷺ ہر روز خدا کی بارگاہ میں ستر دفعہ توبہ کیا کرتے تھے۔ جبکہ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوتا تھا۔''

یہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن وروایات میں رسول خدا ﷺ کے استغفار کا ذکر تو آیا ہے لیکن کہیں بھی نہیں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فلاں غلطی کی تھی یا فلاں گناہ کے مرتکب ہوئے تھے جس کی بناء پر آپ استغفار کر رہے ہیں۔

اگر ان آیات کے شان نزول پر بھی غور کرلیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ وہی خطا تھی جس کا تعلق عشق و محبت اور معرفت و عرفان سے ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

''آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ '' (20)

ترجمہ: ''رسول اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور تمام مومنین بھی اللہ! اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پائے۔ اور سب کا کہنا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور پروردگار ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔''

اس آیت میں رسولؐ سمیت تمام اہل ایمان اطاعت کا اقرار کر رہے ہیں اس کے باوجود بخشش بھی طلب کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نافرمانی کی وجہ سے بخشش طلب نہیں کر رہے بلکہ عرفانی خطا کو مد نظر رکھتے ہوئے معافی مانگ رہے ہیں۔ نہ صرف حضرت محمد ﷺ بلکہ دوسرے انبیاء بھی بخشش کی دعا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حضرت نوحؑ کہتے ہیں:

''رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلاَ تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا '' (21)

ترجمہ: ''پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہو جائے اور تمام مومنین اور مومنات کو بخش دے اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے علاوہ کسی شے میں اضافہ نہ فرما۔''

حضرت ابراہیمؑ دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں:

''رَبَّنَا اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ '' (22)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار مجھے، میرے والدین اور تمام مومنین کو اس دن بخش دینا جس دن حساب کیا جائے گا۔''

حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں:

''قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ'' (23)

ترجمہ: ''پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف کردے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرلے تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

مغفرت اور بخشش کی یہ تمام التجائیں اس پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان خدا کی خوشنودی کے حصول اور اس کا حق اطاعت ادا کرنے کی جتنی بھی کوشش کرے کم ہے۔ وہ اپنی عبادات کا جب خدا کی عظمت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے تو خود کو قصور وار سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معصومین علیہم السلام اس قدر عبادت اور اطاعت کرنے کے باوجود کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

'' ماعبدناك حق عبادتك''

ترجمہ: '' ہم تیری حق عبادت نہ ادا کرسکے۔''

حتی کہ ملائکہ جن کی عصمت کے متعلق کسی کو شک نہیں ہے وہ بھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ رسول خداﷺ ایک طولانی حدیث میں ابوذر سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے ابوذر خدا کے کچھ فرشتے ہیں جو حالت قیام میں خوف خدا سے سر بھی نہیں اٹھاتے کہ کہیں ادب کے منافی شی نہ ہو مسلسل عبادت کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں:

''سبحانك وبحمدك ماعبدناك كما ينبغي لك ان نعبد''

ترجمہ : "تو پاک و پاکیزہ ہے۔ تو لائق حمد ہے اے پروردگار ہم اس طرح تیری عبادت نہ کر سکے جیسے ہمیں تیری عبادت کرنی چاہیے تھی۔" (24)

گناہ اور خطاء در حقیقت ایک نسبی امر ہے۔ ایک ہی عمل کسی کے لئے نیکی اور قابل قدر شمار ہوتا ہے جبکہ وہی عمل دوسرے کے لئے قابل مذمت قرار پاتا ہے۔ مثلاً ایک غریب شخص خیراتی ہسپتال کے لئے سو روپے چندہ دیتا ہے۔ یہ سب کی نگاہ میں قابل تحسین ہے کہ غربت کے باوجود اس نے سو روپے دیئے ہیں لیکن اگر ایک کروڑ پتی سو روپے دے تو سب کی نگاہ میں قابل مذمت ہے کہ اتنی دولت کے ہوتے ہوئے صرف سو روپے دے رہا ہے۔ یعنی ایک ہی عمل ایک کے لئے قابل تحسین ہے اور دوسرے کے لئے قابل مذمت۔ یہاں کوئی یہ اعتراض نہیں کرتا کہ کیسے آپ ایک ہی عمل پر ایک کی تعریف کر رہے ہیں اور دوسرے کی مذمت۔ وجہ یہی ہے کہ کروڑ پتی کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ بھی سو روپے دے۔

اسی طرح ایک عمل جو عام آدمی کے لئے خدا کے نزدیک نیکی ہو، لیکن اگر نبی یا امام وہی عمل انجام دے تو نیکی کے زمرے میں نہ آتا ہو بلکہ اس کے خطا اور گناہ تصور کیا جاتا ہو۔ کیونکہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا تعلق براہ راست مبداء اور معاد سے ہے۔ ان کا علم خدا کا عطا کردہ ہے۔ بہت سے حقائق ان کے لئے روشن ہیں جبکہ عام آدمی ان سے واقف نہیں۔ علم، ایمان، تقویٰ اور عشق الٰہی کے جس عظیم درجے پر وہ فائز ہیں عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ اگر کسی دنیاوی ضرورت کے تحت ان کی توجہ ایک لمحے کے لئے بھی خدا سے ہٹ جائے تو وہ اسے اپنے لئے گناہ سمجھتے ہیں اور توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ اس بنا پر جملہ مشہور ہے " حسنات الابرار سیئات المقربین "نیک لوگوں کی بعض نیکیاں مقربین الٰہی کے لئے خطا شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا رسول خدا ﷺ کے متعلق جن آیات میں گناہ کا لفظ آیا ہے یا توبہ واستغفار کا وہ اسی طرح کا گناہ ہے جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

بن ابی الفتح الاربلی اپنی کتاب کشف الغمہ میں لکھتے ہیں: میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک دعا دیکھی جو وہ سجدہ شکر میں پڑھا کرتے تھے۔ وہ دعا یہ تھی:

''رب عصیتك بلسانی و لو شئت و عزتك لأخرستنی و عصیتك ببصری و لو شئت و عزتك لأکمهتنی و عصیتك بسمعی و لو شئت و عزتك لأصممتنی و عصیتك بیدی و لو شئت و عزتك لکنعتنی و عصیتك برجلی و لو شئت و عزتك لجذمتنی...'' (25)

ترجمہ: "اے میرے پرور دگار میں نے اپنی زبان سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو مجھے گونگا کر دیتا۔ میں اپنی آنکھ سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو مجھے اندھا کر دیتا۔ میں نے اپنے کانوں سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو میری قوت سماعت چھین لیتا۔ میں نے اپنے پاؤں سے تیری نافرمانی کی اگر تو چاہتا تو مجھے جزام میں مبتلا کر دیتا۔۔۔"

اربلی کہتے ہیں میں سوچتا رہتا تھا کہ شیعہ تو معتقد ہیں کہ ان کے ائمہ معصوم ہوتے ہیں ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتے اور یہاں خود ان کا امام کہہ رہا ہے کہ میں نے خدا کی نافرمانی کی۔ پھر ایک دن میری ملاقات سید رضی الدین ابوالحسن علی بن موسیٰ بن طاووس علوی سے ہوئی۔ میں نے ان سے بات کی تو انہوں نے کہا یہ سب ہمیں تعلیم دینے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن ان کے جواب سے میں مطمئن نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ یہ دعا رات کے اندھیرے میں مانگتے تھے، جبکہ دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ وزیر مملکت مؤید الدین علقمی نے بھی مجھ سے اس دعا کے متعلق پوچھا تو میں نے سید ابن طاووس والا جواب انہیں دے دیا۔ لیکن میں خود مطمئن نہیں تھا۔ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ اس دعا کے پیچھے حقیقت کیا ہے۔

پھر ایک دفعہ خود امام موسیٰ کاظمؑ کی عنایت کی برکت سے میری یہ مشکل آسان ہو گئی۔ میں نے اس کا صحیح جواب حاصل کر لیا۔ اسے میں آپ لوگوں کے لئے بیان کرتا ہوں۔ انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہر وقت ذکر خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے دل ہمیشہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں اس طرح خدا کی عبادت کرو گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اگر پھر نہیں تو پھر اس کا یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہر وقت اسی حالت میں رہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات اس سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ کیونکہ ضروریات زندگی مثلاً کھانا پینا سونا اور اپنے ازدواجی امور کی انجام دہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اسی طرح کی غفلت کو وہ اپنے لئے گناہ سمجھتے ہیں لہٰذا توبہ و استغفار کرتے ہیں۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ:

"انہ لیغان علی قلبی وانی استغفر بالنہار سبعین مرۃ"

ترجمہ: " بعض اوقات میرے قلب پر غفلت کے پردے آ جاتے ہیں اسی لیے میں دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔"

یعنی دنیاوی کاموں کی وجہ سے خدا کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور ان کاموں کی طرف ہو جاتی ہے۔(26)

۲۔ معافی

قرآن میں چند آیات ایسی ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے آپؐ کو معاف کیا۔ معافی اور خطا لازم وملزوم ہیں۔ یعنی معاف کرنے کا تصور وہیں ہوتا ہے جہاں خطا سرزد ہوئی ہو۔ سورہ توبہ میں خدا فرماتا ہے:

"عَفَا اللّٰهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ "(27)

ترجمہ: "(اے رسول) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی قبل اس کے کہ آپ پر واضح ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے؟"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جار اللہ زمحشری لکھتے ہیں:

"عفا اللہ عنك" اشارہ ہے خطا اور گناہ کی طرف، کیونکہ عفو ودرگذر اور معاف کرنا وہیں صادق آتا ہے جہاں گناہ ہوا ہو۔ پس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ نے غلطی کی ہے اور بُرا کام کیا ہے۔ وہ غلطی کیا تھی اس کو یہ جملہ بیان کر رہا ہے "لم اذنت لھم" آپؐ نے انہیں اجازت کیوں دی ہے۔ یعنی یہ اجازت دینا ہی آپ کی غلطی ہے۔(28)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر کچھ منافقین رسول خدا ﷺ کے پاس آئے اور قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم میں جنگ میں شرکت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ہمیں گھروں میں رہنے کی اجازت دے دیں تو آپؐ نے اجازت دے دی۔ جس پر یہ آیت اتری۔

کیا رسول خدا ﷺ کا انہیں اجازت دینا ناپسندیدہ عمل تھا جس پر خدا ان کی سرزنش کر رہا ہے؟ اکثر مفسرین نے اس کی نفی کی ہے۔ اگر ظاہری حالات کو دیکھا جائے تو رسول خدا ﷺ کا اجازت دینا حکم خدا کے مطابق تھا۔ کیونکہ سورۂ نور میں خداوند کریم فرماتا ہے:

''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' (29)

ترجمہ: ''یقیناً مومن وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی معاملے میں ان کے ساتھ ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔ جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا جب یہ اپنے کام کے لئے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ سے استغفار بھی کریں۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

آنحضرت ﷺ سے جنگ میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والے اگرچہ حقیقت میں منافق ہی تھے لیکن ظاہری طور پر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے تھے۔ مذکورہ آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جسے چاہیں اجازت دے دیں۔ آپ نے دے دی۔ خدا بھی جانتا تھا کہ یہ منافقین ہیں۔ ان کا جہاد میں جانا مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ جیسا کہ اگلی آیات میں خدا فرماتا ہے:

''لاَ يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَن يُجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ O إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ O وَلَوْ أَرَادُواْ الْخُرُوجَ لأَعَدُّواْ لَهُ عُدَّةً وَلَـكِن كَرِهَ اللّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُواْ مَعَ الْقَاعِدِينَ O لَوْ خَرَجُواْ فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلاَّ خَبَالاً وَلأَوْضَعُواْ خِلاَلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ'' (30)

ترجمہ: ''جو لوگ روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کے خلاف ہرگز آپ سے اجازت طلب نہیں کریں گے اور خدا یقیناً صاحبان تقویٰ کو جانتا ہے۔ ایسی

اجازت صرف وہی لوگ مانگیں کے جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔ اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ سامان تیار کرتے۔ لیکن اللہ کو ان کا نکلنا پسند نہیں ہے۔ اس لیے اس نے ان کے ارادوں کو کمزور رہنے دیا اور ان سے کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تمہارے لیے صرف مشکل کا ہی باعث بنتے اور تمہارے درمیان فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور تمہارے درمیان ان کے جاسوں موجود ہیں اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔"

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ منافقین کا جنگ میں شرکت کرنا خلاف مصلحت تھا۔ ان کے شریک ہونے سے مسلمانوں کو فائدے کی بجائے نقصان ہوتا۔ لہٰذا مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ انہیں شریک ہونے سے روکا جائے۔ جب انہوں نے نے خود ہی اجازت طلب کرلی تو رسول خدا ﷺ نے بھی مصلحت کو دیکھتے ہوئے انہیں اجازت دے دی۔ اجازت نہ بھی دیتے تب بھی انہوں نے شریک نہیں ہونا تھا جیسا کہ پہلے والی آیت کہہ رہی ہے:

"لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَ سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ" (31)

ترجمہ: "اگر کوئی قریبی فائدہ یا آسان سفر ہوتا تو یہ ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ لیکن ان کے لئے دور کا سفر مشکل بن گیا ہے اور عنقریب ہی قسم کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے لیے ممکن ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ یہ خود کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور خدا کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔"

رسول خدا ﷺ کا انہیں اجازت دینا نہ غلط تھا نہ مصلحت کے خلاف، ہاں اگر آپ اجازت نہ دیتے تو جلدی یہی سچے اور جھوٹے الگ الگ ہو جاتے۔ تمہیں اور دوسروں کو بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ منافق ہیں اور صرف جنگ سے جی چرانا چاہتے ہیں:

"حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ تَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ"

ترجمہ: ''آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی قبل اس کے کہ آپ پر واضح ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے؟''

آیت اللہ آقای ناصر مکارم کہتے ہیں: '''

ممکن ہے کہ '' عَفَا اللّٰہُ عَنکَ '' ایک کنایہ ہو۔ یعنی رسولؐ کو مخاطب کرکے در حقیقت منافقین کے نفاق کو ظاہر کیا جارہا ہے۔ اسے ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی ظالم شخص آپ کے بیٹے کو تھپڑ مارنا چاہتا ہے کہ آپ کا ایک دوست اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اسے تھپڑ نہیں مارنے دیتا۔ آپ اس کے اس کام سے نہ صرف ناراض نہیں ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے۔ لیکن اس ظالم کے ظلم کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے دوست سے کہتے ہیں کہ آپ نے کیوں اسے روکا ہے۔ اسی جملے کا مقصد صرف ظالم کے ظلم کو ظاہر کرنا ہے نہ کہ دوست کی سرزنش۔

علاوہ ازیں بعض مفسرین نے '' عَفَا اللّٰہُ عَنکَ '' کو جملہ انشائیہ قرار دیا ہے اور ایسے جملے وہاں بولے جاتے ہیں جہاں مخاطب کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو۔ جیسا کہ فخر الدین رازی اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لانسلم ان قوله عفا الله عنك يوجب الذنب ولم لايجوز ان يقال ان ذلك يدل على مبالغة الله في تعظيمه وتوقيره كما يقول الرجل لغيره اذا كان معظما عنده عفا الله عنك ما صنعت في امري وعفاك الله ما عرفت حقي فلايكون غرضه من هذا الكلام الا مزيد التجليل والتعظيم'' (32)

ترجمہ: ''ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ عفا اللہ عنک اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے گناہ سرزد ہوا تھا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور توقیر بیان کر رہا ہے۔ جس طرح انسان اس شخص، جو اس کے نزدیک صاحب عظمت ولائق احترام ہو کے متعلق کہتا ہے۔ عفا اللہ عنك ما صعفت في امري خدا تمہیں معاف کرے تو نے میرے متعلق کیا کہا ہے۔ عافاك الله ما عرفت حقي خدا تجھے معاف کرے تو نے میرے حق کو نہیں پہچانا۔ اس قسم کے جملے دعائیہ ہوتے ہیں اور در حقیقت اس شخص کی مزید عزت واحترام اور عظمت کو بیان کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔''

۳۔ذنب

بعض آیات میں "ذنب" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی گناہ کے ہیں۔ سورہ فتح میں خدا فرماتا ہے:

''لِّيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ'' (33)

ترجمہ: ''تاکہ اللہ تیرے گذشتہ اور آئندہ گناہوں کو بخش دے۔''

اس آیت کا ظاہر بھی یہی کہہ رہا ہے کہ جب خدا یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تیرے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ لیکن اگر آیت کے سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہاں ذنب کے معنی گناہ نہیں ہے۔ پہلی آیت ہے ''إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا'' یقیناً ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی ہے تاکہ خدا تمہارے گذشتہ اور آئندہ ذنب معاف کردے اور آپ پر اپنی نعمت مکمل کردے اور آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت فرمائے۔ اگر اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں ذنب کے معنی گناہ نہیں ہیں کیونکہ فتح عطا کرنے اور نعمت کے تمام کرنے کا گناہ کے ساتھ کیا ربط بنتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ذنب اصل میں کسی شئے کے آخری حصے کو کہتے ہیں جیسا کہ اہل لغت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ احمد ابن فارسی زکریا اپنی کتاب میں ذنب کے معانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'' ذنب الزال والنون والباء اصول ثلاثة احدها الجرم والاآخر مؤخر الشئی والثالث الحظ والنصیب '' (34)

ترجمہ: ''ذنب جو کہ ذال، نون اور با کا مرکب ہے اس کے تین اصل معانی ہیں۔ ایک جرم دوسرا شئے کا آخری حصہ اور تیسرا حصہ اور نصیب''

بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ اصل معنی ایک ہی ہے اور وہ شئے کا آخری حصہ ہے۔ جانور کی دم کو ذنب اسی لئے کہتے ہیں چونکہ وہ آخر میں ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے ذنب الدابۃ جانور کی دم۔ وارثت کو بھی ذنب اس لئے کہتے ہیں چونکہ وہ آخر میں آتی ہے۔ گناہ کو بھی ذنب اسی لئے کہتے ہیں چونکہ جو فعل انجام دیا ہے اس کے پیچھے ایک اثر آتا ہے۔ مثلاً ترک نماز، شراب کا پینا گناہ کہلاتا ہے چونکہ اسی کے پیچھے سزا کی

صورت میں ایک اثر آ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح الزام کو ذنب کہتے ہیں کیونکہ اس کے پیچھے ذنب کی صورت میں ایک اثر آ رہا ہوتا ہے۔

مذکورہ آیت میں ذنب سے یہی معنی لینا زیادہ مناسب ہے۔ کفار رسول خدا ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ یہ مجنون ہے۔ لوگوں کی سنی سنائی باتیں کرتا ہے۔ خداؤں کو بُرا کہنے سے ان کے غضب کا شکار ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو قریش مکہ نے آپ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور آپ کو نبی ماننے لگے اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنے لگے۔ اسی کو قرآن یوں بیان کر رہا ہے کہ خدا نے تمہیں کھلی فتح عطا کر کے تمہارے اوپر لگائے گئے سارے اعتراضات ختم کر دیئے اور آئندہ بھی کوئی ایسا الزام نہیں لگا سکے گا۔ یہی وہ نعمت ہے جو اللہ نے آپ کے اوپر تمام کر دی۔ یعنی دین اسلام کی حقیقت ثابت ہو گئی اور اسی کو خدا نے تکمیل نعمت سے تعبیر کیا ہے۔ اسی بات کو سید ابن طاوؤس اپنی کتاب میں یوں لکھا ہے۔

''اما لفظ ماتقدم من الذنب و ماتأخر فالذی نقلناہ من طریق اھل بیت النبوۃ ان المراد منہ لیغفرلك ما تقدم من ذنبك و ما تأخر عند اھل مکۃ وقریش بمعنی ما تقدم قبل الھجرۃ و بعدھا'' (35)

ترجمہ: ''رہا یہ جملہ کہ ماتقدم من الذنب وماتأخر جو کچھ اہم نے اہل بیتؑ نبوت سے نقل کیا ہے۔ اس کی روشنی میں اس سے مراد یہ ہے کہ اہل مکہ اور قریش آپ کے جن اعمال کو گناہ کہتے تھے وہ سب معاف ہو گئے چاہے ان کا تعلق ہجرت سے پہلے تھا یا بعد میں۔''

اس عبارت سے بھی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریعت اور خدا کی نگاہ میں گناہ نہیں تھے۔ اہل مکہ اور قریش کی نگاہ میں گناہ تھے۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو ان پر بھی واضح ہو گیا کہ ہم تو غلط کہتے تھے۔

۴۔ وہ آیات جن میں رسول خدا ﷺ کے فعل کے متعلق خدا بازپرس کر رہا ہے۔

(الف): سورہ تحریم میں خدا فرماتا ہے:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ'' (36)

ترجمہ: ''اے نبی، جو چیز اللہ نے آپ کے لئے حلال کی ہے اسے آپ حرام کیوں کرتے ہیں، کیا آپ اپنی بیویوں کی مرضی چاہتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

بعض مفسرین کے مطابق رسول خدا ﷺ سے کوئی غلطی ہوئی تھی جس کی وجہ سے خدا آپ کی سرزنش کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ اے نبی تو اپنی بیویوں کی خواہش پر حلال چیزوں کو حرام کررہا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے لہٰذا توبہ کرو یقیناً خدا معاف کرنے والا ہے۔ جار اللہ زمخشری کہتے ہیں:

''وکان هذا زلة منه لانّه لیس لاحَدٍ ان یحّرم ما احلّ الله لان الله عزوجل انما احل ما احل لحکمة و مصلحة عرفها فی احلاله فاذا حرم کان ذلك قلب المصلحة مفسدة'' (37)

ترجمہ: "یہ آنحضرت ﷺ کی ایک لغزش تھی کیوں کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خدا کی حلال کردہ شئے کو حرام کرے۔ چونکہ اللہ کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر اسے حلال کرتا ہے۔ لہٰذا اگر اسے حرام کردیا جائے تو مصلحت مفسدہ میں بدل جاتی ہے۔"

اور ایسا کرنا صحیح نہیں۔ واللہ غفور اور اللہ غفور ہے۔ اس نے آپ کی اس لغزش کو معاف کیا۔

فخر الدین رازی اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''المراد من هذا التحریم هوالامتناع عن الانتفاع بالازواج لااعتقاد کونه حراماً بعد ما احل الله تعالیٰ فالنبی صلی الله علیه و سلم امتنع عن الانتفاع معها مع اعتقاده بکونه حلالاً و من اعتقد ان هذا التحریم هوتحریم ما احله الله تعالیٰ بعینه فقد کفر فکیف یضاف الی الرسول صلی الله علیه و سلم مثل هذا'' (38)

ترجمہ: ''اس تحریم سے مراد یہ ہے کہ لونڈی سے لذت اٹھانے کو خود پر حرام کرنا ہے نہ کہ اسے حرام قرار دینا ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے پس آنحضرت ﷺ نے اس سے فائدہ اٹھانے کو حرام قرار دیا ہے جبکہ آپ کا عقیدہ ہے کہ یہ شئے حلال ہے۔ وگرنہ اگر کوئی خدا کے حلال کردہ کو حرام قرار دے تو یہ کفر ہے۔ پس رسول خدا ﷺ کیسے ایسا کرسکتے ہیں۔''

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں جنہیں بیضاوی نے اپنی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل میں نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ یا حضرت حفصہ کی باری تھی اور آنحضرت ﷺ نے جناب ماریہ سے ہمبستری کی تو جب انہیں معلوم ہوا تو وہ بہت چراغ پا ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے لگیں تو آنحضرت ﷺ نے کہا آج کے بعد میں اس سے نہیں ملوں گا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (39)

دوسرا قول ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جناب زینب کے ہاں شہد کا شربت پیا۔ حضرت عائشہ آئیں تو کہنے لگیں آپ کے منہ سے بوآ رہی ہے پھر جناب حفصہ آئیں تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ تب آپؐ نے فرمایا: واللہ لا اشربہ خدا کی قسم آئندہ نہیں پیوں گا۔ (40)

بہرحال جو بھی شان نزول ہو آپ نے ترک مجامعت پر قسم کھائی ہو یا شربت نہ پینے پر، آنحضرت ﷺ اگر یہ کہتے کہ شہد کا شربت یا بیوی سے مباشرت کرنا حرام ہے تب خدا کے حلال کردہ کو حرام قرار دینا ہے جو کہ جب کفر اور قابل مذمت ہے۔ لیکن آپ نے یہ نہیں کہا بلکہ یہ فرمایا کہ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ بہت سے افراد اس طرح کرتے ہیں کہ کسی مباح چیز کو استعمال نہیں کرتے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ انہوں نے خدا کے حلال کو حرام کر دیا ہے۔

بہرحال اگر بعد والی آیات پر غور کر لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دے رہا ہے اور ان بیویوں کی مذمت کر رہا ہے۔ فرمایا اللہ نے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کیا ہے اور اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ پھر بیویوں کو مخاطب کر کے کہا اگر تم دونوں توبہ کر لو تو ٹھیک ہے کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑے ہو گئے ہیں۔

اگر نبیؐ کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کرو گی تو اللہ یقیناً اس کا مولا ہے اور جبرائیل اور نیک مومنین اور فرشتے بھی اس کے پشت پناہ ہیں اگر نبی تمہیں طلاق دے دے تو بعید نہیں کہ اس کا رب تمہارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے جو مسلمان، ایماندار، اطاعت گزار، توبہ کرنے والیا، عبادت گذار اور روزہ رکھنے والیاں ہوں بیوہ ہوں یا کنواریاں۔

(ب): ”عَبَسَ وَتَوَلَّىٰO أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰO وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰO أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰO أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰO فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ“ (41)

ترجمہ: ”اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لینا۔ جب ایک نابینا اس کے پاس آیا اور آپ کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرنا یا نصیحت سننا اور نصیحت اسے فائدہ دیتی اور جو صاحب ثروت ہے آپ اس کی طرف متوجہ ہیں۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے رویے پر ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے اور انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر وہ فعل صحیح ہوتا تو خدا کبھی بھی آپ سے باز پرس نہ کرتا۔ اگر آیات پر غور کیا جائے تو یہ آیات آنحضرت ﷺ کی سرزنش کے متعلق نہیں ہیں۔ کیونکہ عبس کے فاعل کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کون تھا جس نے تیوری چڑھائی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ رسول خدا ﷺ مکہ کے اہم افراد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں دین کی دعوت رہے تھے۔ ابن ام مکتوم جو کہ نابینا تھے آپ کی محفل میں آئے تو اس نے ترش روئی دکھائی۔ منہ پھیر لیا۔ یہ کون تھا۔ بعض روایات کے مطابق بنی امیہ کا ایک شخص تھا۔ اسے یہ اچھا نہیں لگا کہ ایک نابینا اور غریب شخص ان کے پاس آ کر بیٹھے۔

تفسیر برہان میں سید ہاشم برہانی لکھتے ہیں:

''علی بن ابراھیم قال نزلت فی عثمان وابن ام مکتوم وکان ابن ام مکتوم مؤذناً لرسول وکان اعمی فجاء الی رسول اللہ وعندہ اصحابہ وعثمان عندہ فقدمہ رسول اللہ علی عثمان فعبس عثمان وجھہ وتولی عنہ فانزل اللہ عبس وتولی'' (42)

ترجمہ: ''علی بن ابراہیم نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت عثمان اور ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو رسول خدا ﷺ کے موذن تھے اور آنکھوں سے نابینا تھے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ کے پاس جبکہ آپ کے پاس صحابہ بھی بیٹھے تھے۔ آپ نے اسے عثمان پر ترجیح دی جس کی وجہ سے عثمان نے تیوری چڑھائی اور اپنا منہ پھیر لیا تو یہ آیات نازل ہوئیں عبس وتولیٰ۔''

اس لحاظ سے بھی یہ شان نزول مناسب لگتا ہے کہ قرآن رسول خدا کے متعلق فرماتا ہے: ''وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ'' (43) آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلق عظیم کے مالک ایک نابینا کو دیکھ کر تیور چڑھا لیں۔ باقی یہ بات کہ آیت کے مخاطب رسول خدا ﷺ کو کہا جا رہا ہے۔ یعنی پہلے غائب کی ضمیریں تھیں۔ اب مخاطب کی۔ اس کا جواب بھی واضح ہے۔ فصاحت و بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مخاطب کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے غائب کی بات کرتے کرتے مخاطب کی بات شروع کر دی جائے۔ عربی میں یہ انداز مخاطب بہت استعمال ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن میں بھی کئی جگہ استعمال ہوا

ہے۔ دوسری روایت کے مطابق عبس میں فاعل کی ضمیر رسول خدا ﷺ کی طرف جارہی ہے یعنی رسول خدا ﷺ نے ترش روئی کا مظاہرہ کیا اور اس سے منہ پھیرا۔ اگر اس روایت کو بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی آنحضرت ﷺ کے فعل کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ خلاف ادب کام ابن ابی مکتوم نے کیا تھا۔ جب رسول خدا ﷺ اشراف مکہ کے ساتھ بیٹھے تھے اور انہیں دعوت اسلام دے رہے تو ابن ابی مکتوم آئے اور بار بار آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرنے لگے تو مجھے یہ بتاؤ مجھے وہ بتاؤ۔ اس موقع پر ادب کا اصول کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ اپنی بات چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوں یا اپنی بات جاری رکھیں۔ کیا ابن ابی مکتوم کا یہ اصرار خلافِ ادب نہیں ہے۔ اگر خلافِ ادب ہے تو کیا رسول خدا ﷺ کا اس کی طرف متوجہ نہ ہونا عین ادب ہے یا اس طرح متوجہ ہونا عین ادب ہے۔ متوجہ نہ ہونا عین ادب ہے متوجہ ہونا خلاف ادب ہے اور جو چیز خلاف ادب ہو اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی ہے۔

فخر الدین رازی کہتے ہیں:

''ابن ام مکتوم سرزنش کے مستحق تھے کیونکہ وہ بار بار رسول خدا ﷺ کی بات کو کاٹ رہے تھے۔ صرف اپنی بات سنانا چاہتے تھے۔ یہ چیز نبی کے لئے اذیت کا باعث بن رہی تھی جو کہ بہت بڑا گناہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اہم مہم پر ترجیح رکھتا ہے کفار کو دعوت اسلام دینا اہم تھا چونکہ اگر وہ مسلمان ہوجانے کو اسلام کو بہت فائدہ ہوتا۔ جبکہ ابن ام مکتوم تو پہلے سے ہی مسلمان تھے صرف چند مسائل پوچھنے آئے تھے یہ اس کے مقابلے میں اتنا اہم نہیں تھا۔'' (44)

دوسرا یہ کہ آیات میں خداوند کریم نے کہیں بھی رسول خدا ﷺ کی سرزنش یا بازپرس نہیں کی۔ بلکہ واقعہ کو بیان کیا ہے کہ اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ پاکیزہ نفس ہوجاتا یا نصیحت حاصل کرلیتا تو وہ نصیحت اس کے کام آجاتی لیکن جو مستغنی بن بیٹھا ہے آپ اس کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ پاکیزہ نہیں ہوتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے لیکن جو آپ کے پاس دوڑ کر آیا ہے اور وہ خوف خدا بھی رکھتا ہے آپ اس سے بے رخی کرتے ہیں۔ دیکھئے یہ قرآن ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے قبول کرے۔

*****

حوالہ جات

1۔ سورہ ص۔ ۸۲۔ ۸۳
2۔ سورہ ص۔ ۴۵، ۴۶
3۔ مریم۔ ۵۱
4۔ یوسف۔ ۲۴
5۔ نساء۔ ۶۴
6۔ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب ج ۱۰، ص ۱۱۳
7۔۔ شیخ صدوق، الخصال ص ۶۰۸
8۔ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا ج ۲
9۔ العمران۔ 32
10۔ العمران۔ 132
11۔ الحشر۔ ۷
12۔ اسراء۔ ۷۳، ۷۴
13۔ نساء۔ 113
14۔ البقرہ۔ 120
15 بقرہ 145
16۔ زمر۔ 65
17۔ حاقہ 44، 45، 46
18۔ اربلی، کشف الغمہ ج ۳، ص ۴۷
19۔ کلینی۔ کافی، ج ۲، ص ۴۵
20۔ بقرہ۔ 287
21۔ نوح۔ 28
22۔ ابراہیم۔ 41
23۔ اعراف۔ 151
24۔ طوسی، الامالی ص ۵۳۳
25۔ اربلی، کشف الغمہ، ج ۳، ص ۴۶

26۔ اربلی، کشف الغمہ، ج۳، ص۴۶
27۔ توبہ: ۴۳
28۔ زمخشری، جاراللہ، الکشاف، ج۲، ص۲۷۴
29۔ نور: ۶۲
30۔ توبہ ۴۴تا۴۷
31۔ توبہ: ۴۲
32۔ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، ج۱۶، ص۵۸
33۔ سورہ فتح: 2
34۔ معجم القائس اللغۃ، ج۲، ص۳۶۱
35۔ ابن طاووس، سعد السعود ص۲۰۸
36۔ سورہ تحریم: 1
37۔ زمخشری، جاراللہ، الکشاف، ج۴، ص۵۶۳
38۔ مفاتیح الغیب، ج۳۰، ص۵۶۹
39۔ انوار التنزیل، ج۵، ص۲۲۴
40۔ ابن حاتم، تفسیر القرآن، ج۱۰، ص۳۳۶۲۔
41۔ سورہ عبس: ۱تا۶
42۔ بحرانی، ہاشم، تفسیر برہان، ج۵، ص۵۸۲
43۔ قلم: ۴
44۔ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، ج۳۱، ص۵۳

آفات اور بلائیں کیوں؟

تحریر: فائزہ بتول نقوی *
رہنما: ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

Faizanaqvi80@yahoo.com

کلیدی کلمات: آفات ، مصائب، بلائیں، ،شر ، حادثات، قحط، دکھ، حکمت الٰہی ،عدل الٰہی

خلاصہ :

بلا شک ہماری زندگی میں ہزاروں آفات اور بلائیں، حادثات، بیماریاں، قحط وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر یہ آفات کیوں؟ یہ سوال اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے اور اگر ایسا ہے تو اس نے دنیا کو اس طرح کیوں خلق نہیں کر دیا کہ اس میں کوئی آفت، دکھ اور درد نہ ہوتا؟ یہ بحث اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ بعض لوگ اپنی محدود معلومات کی وجہ سے مختلف آفات کو "شر" سے تعبیر کرتے ہوئے اللہ کی حکمت اور عدل کا انکار کرتے ہیں اور آفات کو قدرت الٰہی یا عدلِ الٰہی کے منافی شمار کرتے ہیں۔ آفات کے فلسفہ کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ اگر انسان دنیا میں پائی جانے والی آفات کا فلسفہ نہ جانتا ہو تو اس کے لئے مؤمنانہ زندگی بسر کرنا اور مشکلات کا سامنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس دنیا میں انسان پر جو آفات نازل ہوتی ہیں، ان کے مختلف اسباب ہیں جن میں دنیا کی محدودیت، مقصد تخلیق کی تکمیل، انسانی آزادی اور اختیار، انسان میں تضرع کی حالت پیدا کرنا۔۔۔ اس مقالے میں آیات وروایات کی روشنی میں ان اسباب پر نظر ڈالی گئی ہے۔

*۔ ریسرچ اسکالر، بی۔ایس۔ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، نمایندگی پاکستان، اسلام آباد۔

مقدمہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم جس دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں ہزاروں آفات پائی جاتی ہیں۔ زلزلے، حادثات، بیماریاں، قحط۔۔۔ غرضیکہ انسان ان آفات میں اس قدر گھرا ہوا ہے کہ وہ ساری زندگی یوں گزارتا ہے کہ بقول شاعر ؏:

اِک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔

اس دنیا کی ماہیت ایسی ہے کہ بقول شہید دستغیبؒ یہاں انسان کو شہد کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں ڈنگ سہنا پڑتے ہیں۔ اس صورتحال میں یقیناً ایک انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر یہ آفات کیوں؟ اور ان آفات میں گھری زندگی کا کیا فائدہ؟ یہ سوال ایک اور لحاظ سے بھی اہم ہے۔ اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا یہ محکم عقیدہ ہے کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور اس کی حکمت میں کوئی خدشہ نہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس طرح کیوں خلق نہیں کر دیا کہ اس میں آفات نہ ہوتیں اور انسان کو ہر لمحہ خونِ جگر نہ پینا پڑتا۔ آیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس دنیا کو کچھ اس طرح خلق کرتا کہ ہم یہ زندگی مکمل آسودگی سے گزار سکتے؟

اس موضوع پر بحث اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ بعض لوگ اپنی محدود معلومات کی وجہ سے مختلف آفات کو "شر" سے تعبیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عدل کا انکار کرتے ہیں اور آفات کو عدلِ الٰہی کے منافی شمار کرتے ہیں۔ آفات کے فلسفہ کو سمجھنا اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ اگر انسان دنیا میں پائی جانے والی آفات کا رمز و راز نہ جانتا ہو تو اس کے لئے زندگی بسر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ انسان کبھی اپنے مقصد خلقت کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ پس ارتقاء کی منازل طے کرنے کے لئے ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اس مسئلے سے کسی حد تک ضرور آشنا ہو وگرنہ اس کی زندگی اجیرن بن جائے گی۔ اس کے لئے مشکلات اور آفات کا سامنا کرنا دشوار ہو جائے گا اور وہ کبھی بھی صبر کے مفہوم سے آشنا نہ ہو پائے گا۔

آفات اور بلائیں کیوں؟

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس دنیا میں انسان پر جو آفات نازل ہوتی ہیں، ان کی مختلف اسباب ہیں۔ ذیل میں ان اسباب میں سے چند عمدہ اسباب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

1. دنیا کی محدودیت

ہم جس عالم میں زندگی گزار رہے ہیں یہ مادی دنیا ہے اور اس کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تضاد اور نابرابری ہے۔ ہم عام طور پر دنیا کی محدودیّت کو ہی آفت قرار دیتے ہیں۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ پوری زیادہ سے زیادہ دنیاوی سرمایہ اور مال و متاع اس کے قبضہ میں قرار پائے۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کے حصہ میں کم اور دوسروں کے حصہ میں زیادہ قرار پایا ہے تو وہ اسے آفت اور مصیبت قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اگر انسان اپنے انسانی اور مالی ، مادی سرمایہ کو دیکھے اور اس کا اپنی ضروریات سے مقائسہ کرے تو بہت سی آفات اسے آفات محسوس نہ ہوں۔ دراصل اس دنیا میں کوئی آفت مطلق (Absolute) آفت نہیں ہے بلکہ تمام آفات اور بلائیں ایک نسبی (Relative) ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ممکن ہے ایک چیز ایک فرد یا معاشرے کی نسبت نعمت اور دوسرے فرد یا دوسرے معاشرے کی نسبت مصیبت ہو۔

جہاں تک دنیا میں پائی جانے والی فطری نابرابریوں کا تعلق ہے تو یہ بھی کسی طور آفت نہیں ہیں۔ بلکہ کائنات اور انسانی معاشرے کا نظم و نسق انہی کے سہارے چل رہا ہے۔ اور خداوند عالم کی تخلیق میں ان کا مقصد انسانیّت کی بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر بھلائی کی طبیعت غالب ہے۔

2. تخلیق کے ہدف کی تکمیل

انسان عالم خلقت کا شاہکار ہے۔ کائنات کی تخلیق کا مقصد انسان کو کرامت کا تاج پہنانا ہے۔ اور دنیاوی آفات و مصائب دراصل اسی ہدف کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ عام طور پر آفت اور بلا کے مفہوم کو امتحان و آزمائش کے مفہوم کے مساوی جانا جاتا ہے۔ یہاں یقینا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا آخر کیوں انسان کو آزمائش و امتحان سے دوچار کرتا ہے؟ آیا خدا ہمارے ظاہر و باطن سے بخوبی آگاہ نہیں ہے۔ آیا کائنات کا ہر ذرہ اس کے علم میں نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو خدا ہمارا امتحان لے کر کیا جاننا چاہتا ہے؟

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ امتحان کا مطلب ہمیشہ اور ہر جگہ کسی انسان کی چھپی صلاحیتوں کو کشف کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ جب خداوند تعالیٰ کسی کا امتحان لیتا ہے تو یقینا ایسا نہیں ہے کہ نعوذ باللہ اسے کسی شخص کے باطن کا علم نہ تھا اور وہ امتحان کے ذریعے اس کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا الٰہی امتحان اور آفات کا فلسفہ

کشفِ حقیقت یا کسی ضرورت وحاجت کا پورا کرنا اور کسی مجہول کو معلوم بنانا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ اس عالم کے ظاہر و باطن پر محیط ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

''وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ'' (1)

ترجمہ: "اور تم لوگ اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو یقیناً وہ تو سینوں میں موجود رازوں سے خوب واقف ہے۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ○وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ'' (2)

ترجمہ: "اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بتحقیق آپ کا پروردگار اسے خوب جانتا ہے۔ اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ بات نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو۔"

پس امتحان الٰہی کا مقصد افراد کے باطن کا کشف اور ان کی حقیقت کے بارے میں جاننا نہیں بلکہ الٰہی امتحان کا راز، انسان کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو آشکار کرنا ہے۔ الٰہی امتحان کا اصل فلسفہ انسان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور انسان کو امتحانات سے گزار کر اسے کمالِ انسانیت تک پہنچانا ہے۔ جس طرح ایک زرگر سونے کو آگ میں ڈال کر کندن بناتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحانات سے گزار کر خالص بناتا ہے۔ لہٰذا اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو کوئی امتحان، آفت نہیں، بلکہ رحمت ہے۔ کیونکہ خدا حکیم ہے اور اس کی صفت حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہ ہو۔ اس کی طرف سے اپنے بندوں سے لیے جانے والے امتحانات میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ ضروری نہیں ہر کام میں پوشیدہ الٰہی حکمت کا ہمیں علم ہو اور ہر امر کی علت اور راز ہمیں معلوم ہو۔

اس حوالے سے استاد شہید مرتضی مطہری فرماتے ہیں:

"ایک وقت ہم کسی چیز کی آزمائش کرتے ہیں تاکہ مجہول کو معلوم بنالیں۔ اس کام کے لئے ہم کوئی میزان ومقیاس مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً ترازو کے پلڑوں میں کسی چیز کو تول کر ہم اس بات کا

انداز لگاتے ہیں اس چیز کا وزن کتنا ہے لیکن ترازو صرف اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جسم کا وزن کتنا ہے اس کی کمی یا زیادتی میں ترازو موثر نہیں بلکہ وزن کو کم یا زیادہ کرنے کے لئے ہمیں دوسرا فعل انجام دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح امتحان کے ایک اور معنیٰ ہیں وہ یہ کہ "قوّت" (Potential) کو "فعل" (Actual) کے زمرہ میں لانا اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا۔ خدا جو امتحانات اور شدائد کے ذریعہ آمائش کرتا ہے وہ اس معنیٰ میں ہے کہ ان کے ذریعے ہر فرد جس کمال وسعادت کا اہل ہے اس تک اس کو پہنچادیا جائے۔ فلسفہ شدائد وابتلا صرف وزن کو تولنا اور کمیت کا اندازہ کرنا نہیں ہے، بلکہ وزن کو زیادہ کرنے اور کیفیت کو بلند درجہ پر پہنچانے کا ذریعہ ہے۔" (3)

خلاصہ یہ کہ آفات میں تربیتی اثر پایا جاتا ہے اور یہ فرد یا معاشرہ کی تربیت کا سبب بنتی ہیں اور یوں آفات سے گذر کر انسان اپنی تخلیق کے ہدف تک پہنچتا ہے۔ جس طرح سیاہ رات کا خاتمہ، روشنی ہے، اسی طرح رنج ومصیبت کا اختتام انسان کی سعادت اور خوشبختی پر ہوتا ہے۔ آفات اور بلاؤں کے اسی فلسفہ کی طرف حضرت علی علیہ السلام نے بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف کے نام اپنے خط میں یوں فرمایا ہے:

''ألا و إن الشجرة البرية أصلب عودا، والروائع الخضرة أرق جلودا، والنباتات البدوية أقوى وقودا و أبطأ خمودا''

ترجمہ: ''آگاہ رہو کہ صحرا کے درخت کی لکڑی زیادہ سخت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس،۔" (4)

حضرت علی علیہ السلام اولیاء الٰہی کی آزمائش اور ابتلاء کے فلسفہ کے بارے میں نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

"اگر خداوند متعال خانہ خدا اور حج کے مراسم انجام دینے کی جگہوں کو باغوں، لہروں اور سرسبز وادیوں اور گلستانوں میں قرار دیتا تو جس قدر یہ آزمائش سادہ وآسان تھی اجر بھی ہلکا ہوتا جبکہ خداوند متعال اپنے بندوں کو قسم قسم کی سختیوں سے آزماتا ہے اور کافی مشکلات کے ساتھ عبادت کے لئے بلاتا ہے اور انواع اقسام کی گرفتاریوں سے مبتلا کرتا ہے تاکہ تکبر وخود پسندی کو ان کے دلوں میں خارج کرے اور اس کی جگہ پر فروتنی لائے اور فضل ورحمت کے دروازے ان پر کھول دے اور عفو وبخشش کے وسائل کو آسانی کے ساتھ ان کے اختیار میں قرار دے۔" (5)

3. انسانی آزادی اور اختیار

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسانی معاشرے پر طرح طرح کی مصیبتوں، بلاؤں اور آفات کے نازل ہونے میں ایک اہم عنصر انسانی آزادی اور اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک آزاد اور صاحب اختیار مخلوق خلق کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا'' (6)

ترجمہ: "بے شک ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے کہ اسے آزمائیں۔ پس ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا ہے۔ ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی ہے، خواہ شکر گزار بنے، خواہ ناشکرا بنے۔"

لیکن انسان کے آزاد اور صاحبِ اختیار مخلوق خلق ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر قید و بند سے آزاد ہے۔ دراصل، اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی اور اختیار کی نعمت عطا کی ہے تاکہ انسان کو آزمائے اور آزمانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کو آفات و مصائب سے گذارا جائے اور انسان اپنے ارادے اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا راستہ اپنائے۔ پس انسان کا یہ اختیار جہاں اسے عمل کی طاقت و قدرت عطا کرتا ہے، وہاں سے مصائب و مشکلات اور آفات و بلائیں جھیلنے کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر خاص مصیبتیں اور بلائیں نازل کرتا ہے جو کافروں پر بھی نازل نہیں ہوتیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ: ''البلاء للولاء'' یعنی: بلا دوستوں کے لئے ہوتی ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک معتبر روایت میں نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَل''

یعنی: ''سب سے شدید بلائیں انبیاء پر نازل ہوتی ہیں اور جن لوگوں کا مقام و مرتبہ ان کے بعد ہے ان پر ان کے مرتبہ کے مطابق بلائیں نازل ہوتی ہیں۔" (7)

ایک اور روایت میں آیا ہے:

''إِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْداً غَتَّهُ بِالْبَلَاءِ غَتّاً''

ترجمہ: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے بلاء میں مبتلا کر دیتا ہے۔" (8)

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے:

"مؤمن کی مثال ترازو کے دو پلڑوں کی سی ہے۔ جس قدر اس کا ایمان بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت بڑھتی جاتی ہے۔" (9)

پس آفات کے راستے سے گزرنا، ایک مؤمن انسان کے اپنے اختیار کا سودا ہے۔ البتہ یہ سودا گھاٹے کا سودا نہیں بلکہ سراسر ثواب اور منفعت کا سودا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَخَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ'' (10)

ترجمہ: "اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور پھر مارے گئے یا مر گئے انہیں اللہ یقیناً اچھی روزی سے ضرور نوازے گا اور رزق دینے والوں میں یقیناً اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ وہ ایسی منزل پر انہیں ضرور اتارے گا جسے وہ پسند کریں گے اور اللہ یقیناً بڑا دانا، بڑا بردبار ہے۔"

خلاصہ یہ کہ بلاؤں میں مبتلا ہونے کا ایک فلسفہ انسان کا اپنی آزادی و اختیار سے بلاؤں کو گلے لگانا اور اس کے نتیجے میں خدا کی رضا اور الٰہی اجر و پاداش کا مستحق قرار پانا ہے۔ اس حوالے سے حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

"بڑی بلاؤں کے ساتھ اجر عظیم ہیں اگر خداوند سبحان کسی قوم کو دوست رکھتا ہو تو انہیں آزمائش و بلا سے دوچار کرتا ہے۔ (11)

4. تضرع کی حالت پیدا کرنا

قرآن کئی مقامات پر مصیبتوں اور آفات و بلاؤں کو خشوع و خضوع کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ قرآن کریم سابقہ انبیاء کی امتوں پر نزول بلا کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ وہ سرکش اور باغی ہو گئے تھے اور ان پر مصیبتیں اس لئے نازل ہوئیں کہ وہ بغاوت سے ہاتھ اٹھالیں اور ان کے دل نرم ہو جائیں:

''وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ'' (12)

ترجمہ: ''اور بے شک آپ سے پہلے (بھی) بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے پھر ہم نے انہیں سختیوں اور تکالیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کا اظہار کریں۔''

''وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ'' (13)

ترجمہ: ''اور اہلِ جنت دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے: ہم نے تو واقعتاً اسے سچّا پالیا جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے فرمایا تھا، سو کیا تم نے (بھی) اسے سچّا پایا جو وعدہ تمہارے ربّ نے (تم سے) کیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ پھر ان کے درمیان ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

قرآن کریم میں بعض لوگوں کے لئے رزق کی تنگی کو بھی مایۂ برکت قرار دیا گیا ہے اور اسے یادِ خدا اور ظلم و بغاوت اور سرکشی و عصیان سے بچنے کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ عام طور پر فقر و فاقہ کو مصیبت اور آفت تصور کیا جاتا ہے لیکن قرآن کریم کی منطق یہ ہے کہ:

''وَلَوْ بَسَطَ اللهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ'' (14)

ترجمہ: ''اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراوانی کر دیتا تو وہ زمین میں سرکش ہو جاتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے وہ ایک مقدار سے نازل کرتا ہے، وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، نگاہ رکھنے والا ہے۔''

خوف، بھوک، اموال اور انفس کا تلف ہونا اور ثمرات کی کمی جیسی تمام ظاہری آفات کو قرآن کریم نے آزمائش کا وسیلہ اور اس پر صبر کو ایک عظیم کامیابی قرار دیتے ہوئے صابرین کو بشارت اور خوشخبری سنانے کی بات کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیزیں جنہیں عام طور پر آفت، مصیبت اور بلا تصوّر کیا جاتا ہے، مایۂ شکر، لطف اور کمال ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل آیہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفُ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ'' (15)

ترجمہ: ''اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک اور جان ومال اور ثمرات (کے نقصانات) سے ضرور آزمائیں گے اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادیجئے۔''

5. خواب غفلت سے بیداری

قرآن کریم کی کئی آیات میں انسان پر نازل ہونے والی مصیبتوں اور بلاؤں کا سبب انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنا بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَہۡلَہَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّہُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ'' (16)

ترجمہ "اور ہم نے کسی شہر اور آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا سوائے یہ کہ اس کے رہنے والوں کو سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ ہوش میں آئیں اور خدا کی طرف پلٹیں۔"

یہ آیت بعض پیغمبروں کی سرگزشت جیسے حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ وغیرہ کی سرگزشت کے بیان میں آئی ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے کسی شہر میں پیغمبر نہیں بھیجا سوائے یہ کہ وہاں کے لوگوں کو تکلیفیوں اور بلاؤں میں گرفتار کیا تاکہ تھوڑا بیدار ہوں۔ اور اپنے طغیان وسرکشی سے ہاتھ اٹھالیں اور اس کی طرف رجوع کریں۔ اور یہ اس لئے تھا کہ انسان کی طبیعت ہے کہ جب تک وہ ناز ونعت میں رہتا ہے اس میں حق قبول کرنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے مگر جس وقت وہ گرداب بلا میں گرفتار ہوجاتا ہے اختیار بد کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اس وقت اس کا دل جی نصیحت قبول کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ بعض لوگ کی مشکلات جب برطرف ہوجائیں وہ دوبارہ خواب غفلت میں چلے جاتے ہیں جبکہ بعض کے لئے یہ مشکلات ایک موڑ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان مصائب کے بعد ان کی رفتار وکردار کا رخ بدل جاتا ہے۔

''وَلَقَدۡ اَخَذۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ بِالسِّنِیۡنَ وَنَقۡصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ'' (17)

ترجمہ: ''اور بتحقیق ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پیداوار کی قلّت میں مبتلا کیا شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔''

اس آیت میں بھی گمراہوں کے بارے میں گفتگو جاری ہے اور قرآن آفات کو ان کے بیدار کرنے کا ذریعہ قرار دیتا اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے سابقہ انبیاء کی امّتوں کو بیدار کرنے اور ان کی تربیت کی خاطر

مشکلات، سخت حوادث، فقر و فاقہ، خشک سالی، بیماری اور امراض و وباؤں سے دوچار کیا تاکہ خواب غفلت سے بیدار رہوں اور خدا کی طرف پلٹ آئیں۔ کیونکہ غربت اور بیماری کا مزہ چکھے بغیر کوئی بھی تندرستی اور ثروت کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح جب تک وہ روحانی مشکلات میں گرفتار نہ ہو معنویات کے مفہوم سے ناآشنا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آفات کا ایک فلسفہ مؤمن انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنا بتایا گیا ہے۔ جیساکہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں آیا ہے کہ:

''جب خدا کسی بندہ کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار کر دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعے بندہ استغفار کی جانب متوجہ ہو۔'' (18)

6. آفات کا نزول، انسانی بداعمالیوں کا نتیجہ

اس حقیقت کو بھی سمجھنا چاہیے کہ ہمارے اوپر آنے والی اکثر بلائیں اور مصیبتیں دراصل ہماری اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ قرآن انسان کی سعادت وشقاوت کو خود اس کے اعمال کا عکس العمل اور نتیجہ قرار دیتا ہے۔ بعض مشکلات وآفات مکافات عمل ہوتی ہیں:

''وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُواْ عَن كَثِيرٍ'' (19)

ترجمہ: ''اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔''

7. اظہارِ حقیقت

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کئی آفات کے نزول کا سبب، انسان کے چھپے باطن کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیطان کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ ابلیس جس نے سالہاسال خدا کی عبودیت اور بندگی کا ڈھونگ رچایا اور اپنے تکبر کو دوسروں حتی اپنے آپ سے چھپائے رکھا امتحان کے موقع پر اس کی حقیقت آشکار ہو گئی۔ لہٰذا آفت و بلا و مصیبت گمراہی اور ریاکاری کے پردوں کو منافقین کے چہروں سے ہٹادیتی اور ان کی حقیقت کو عیاں کر دیتی ہیں۔ جیساکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَاْ أَخْبَارَكُمْ'' (20)

ترجمہ: ''اور ہم تمہیں ضرور آزمائش میں ڈالیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کی شناخت کر لیں اور تمہارے حالات جانچ لیں۔''

یقیناً یہاں شناخت اور حالات کی جانچ سے مراد یہ نہیں کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ پر ان کا معاملہ مخفی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کچھ مخفی نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

''قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللهَ بِدِينِكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ'' (21)

ترجمہ: ''کہ دیجئے: کیا تم اللہ کو اپنی دینداری کی اطلاع دینا چاہتے ہو؟ جبکہ اللہ تو آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز سے واقف ہے اور اللہ ہر شے کا خوب علم رکھتا ہے۔''

پس مراد یہ نہیں ہے کہ خدا امتحان کے ذریعے ان لوگوں کی حالت اور کیفیت کو جاننا چاہتا ہے، بلکہ مراد انسانی حقیقت پر پڑے پردوں کو چاک کرنا اور ایک مسلمان انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور اسے آگے بڑھنے کی منزل دکھانا اور تشویق کرنا ہے۔ اس حوالے سے قرآن کریم کی درج ذیل آیت بھی قابل توجہ ہے:

''ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ'' (22)

ترجمہ: ''پھر جب اس غم کے بعد تم پر امن وسکون نازل فرمایا تو تمہیں سے ایک گروہ تو اونگھنے لگا، جب کہ دوسرے گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، وہ ناحق اللہ پر زمانہ جاہلیت والی بدگمانیاں کر رہے تھے، کہ رہے تھے: کہ دیجئے: سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہ لوگ جو بات اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں اسے آپ پر ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: اگر (قیادت میں) ہمارا کچھ دخل ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے، کہ دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کے

مقدر میں قتل ہونا لکھا ہے وہ خود اپنے مقتل کی طرف نکل پڑتے اور یہ (جو کچھ ہوا وہ اس لیے تھا) کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ کر واضح کردے اور اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔''

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا آیت میں جنگ احد میں فتح پانے کے بعد لشکرِ اسلام کے شکست سے دوچار ہونے کا ایک سبب چند مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری اور دل میں چھپے ضعف کو بیان کیا گیا ہے جو اس جنگ میں ہزیمت کے بعد آشکار ہوا۔ گویا مصیبت و بلا کا ایک عالیشان فلسفہ اور حکمت قلب کی پاکیزگی اور پلیدگی کا اظہار ہے تاکہ لوگوں پر ان کے اندر کی حقیقت آشکار ہو جائے اور وہ اپنی تربیت اور تہذیب نفس کی طرف بڑھ سکیں۔ (23)

*****

حوالہ جات

1۔ ملک/13

2۔ نمل/74،75

3۔ شہید مرتضی مطہری؛ بیست گفتار؛ صفحہ 148،149

4۔ نہج البلاغہ ؛مکتوب : 45۔

5۔ نہج البلاغہ، ص۳۸۹۔۳۹۱، خطبہ ۱۹۲

6۔ انسان/۲-۳

7۔ کلینی، اصول کافی ، ج2، ص253

8۔ ایضا؛ 254

9۔ مجلسی، بحار الانوار ، ج 67، ص 243

10۔ حج/۵۹-۵۹

11۔ عبدالواحد بن محمد تمیمی، آمدی، غرر الحکم و درر الکلم ج ۲، ص

12۔ انعام/42

13۔ اعراف/44

14۔ شُوریٰ/27

15۔ بقرہ/155

16۔ اعراف/۹۴

17۔ اعراف 130

18۔ محمدی ری شہری؛ میزان الحکمۃ، جلد ۲، صفحہ ۵۷۷

19۔ شوری/30

20۔ محمد/31

21۔ حجرات/16

22۔ آل عمران/154

23۔ دیکھیے: ناصر مکارم شیرازی؛ تفسیر نمونہ؛ جلد ۲، صفحہ ۲۷۹۔

محبت الٰہی کا شکنجہ

عارف واصل و سالک الی اللہ، مرحوم اسماعیل دولابی رضوان اللہ علیہ فرماتے تھے:

لوہاروں کے پاس ایک شکنجہ ہوتا ہے جب وہ کسی لوہے پر کام کرنا چاہتے ہیں تو اُسے اس شکنجے میں کس دیتے ہیں۔ خدا بھی ایسے ہی ہے، جب وہ کسی کو درست کرنا چاہتا ہے تو اسے مصائب و مشکلات کے شکنجے میں جکڑ دیتا ہے پھر اس کی اصلاح کرتا ہے۔ سختیاں اور مشکلات محبت خدا کی نشانی ہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں
حیات انسانی کے اہداف اور مقاصد کا جائزہ

ڈاکٹر محمد افضل کریمی*
dr.muhammadafzalkarimi@gmail.com

کلیدی کلمات: انسان، عبادت، حیات، ہدف، اسلام، قرآن، سنت۔

خلاصہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق کائنات کی تمام مخلوقات ایک خاص مقصد کے لیے وجود پذیر ہوئی ہیں۔ بلا مقصد تخلیق کرنا خود شان الوہیت کے ہی منافی ہے۔ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی چیز میں پوشیدہ حکمتِ الٰہی ہماری سمجھ میں نہ آسکے لیکن اِس سے ہماری عقل کا ناقص ہونا ثابت ہوتا ہے، اللہ کی کوئی بھی تخلیق بے کار قرار نہیں دی جاسکتی۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کائنات کی سب سے اشرف وافضل مخلوق 'انسان' کو یوں ہی بے کار، بے مقصد اور محض موج و مستی یا کھانے کمانے کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔

قرآن میں حیات انسانی کو بے مقصد قرار نہیں دیا گیا۔ کہ مقصد انسان عبادت الٰہی ہے اور جو رضائے الٰہی سے عبارت ہے۔ گویا انسان کا مقصد حیات بڑا مبارک، عظیم اور اہم ہے اور اسی بنیاد پر ایک انسان کو تقرب الی اللہ میسر ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ اللہ کی رضا کے لیے کیسی فکر، کیسا جذبہ اور کیا عمل درکار ہے۔ عقیدے کی درستی، جذبات واحساسات کی ہدایت اور ان کے نتیجے میں اعمال صالحہ کی سعی وجہد انسان سے مطلوب ہے۔

اس مقالے میں انسانی زندگی کے عمدہ ہدف کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

*۔ محقق، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

مقدمہ

کائنات ہستی اور اس کا ایک ایک وجود بلاشک و شبہ با مقصد تخلیق کیا گیا ہے۔ موجودات عالم کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جس کی پیدائش عبث اور بے مقصد ہو جو خالق اپنی حکمت میں بے مثال ہو اس کے بارے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتے ہیں کہ وہ کسی بھی مخلوق کو بے مقصد پیدا کرے۔ قرآن میں ایسی کئی آیتیں موجود ہیں، جو اس جہان ہستی کے ہدف مند ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک مخصوص حکمت کے تحت، ایک متعین مدّت تک کے لیے اپنا کام کر رہی ہے۔ جب تمام چرند، پرند اور درند ایک خاص مقصد کے لیے وجود پذیر ہوئے ہیں، تو انسان کو بلا مقصد تخلیق کرنا خود شان الوہیت کے ہی منافی ہے۔

رب کائنات کا کوئی بھی فعل خالی از حکمت تصور کرنا کفر ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی چیز میں پوشیدہ حکمتِ الٰہی ہماری سمجھ میں نہ آسکے، لیکن اِس سے ہماری عقل کا ناقص ہونا ثابت ہوتا ہے، اللہ کی کوئی بھی تخلیق بے کار قرار نہیں دی جاسکتی۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کائنات کی سب سے اشرف و افضل مخلوق 'انسان' کو یوں ہی بے کار، بے مقصد اور محض موج و مستی یا کھانے کمانے کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔ یہ امر نا قابل اعتبار ہے اور یقیناً قرآن میں بھی حیات انسانی کو بے مقصد قرار نہیں دیا گیا۔

قرآن میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کے ذکر سے بھی یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ خدا کی نگاہ میں انسانی تخلیق کے کچھ خاص اور اعلیٰ اہداف ہیں جن کی خاطر انسان مظہر صفات الٰہی کے عنوان سے صفحہ ہستی پر نمایاں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ایام سے انسانی زندگی کے اہداف اور مقاصد کے بارے میں مختلف قسم کی تحقیقات ہوتی رہی ہے جس کی وجہ سے صدیوں سے مختلف علمی شخصیات کی توجہات اس اہم مسئلہ کی طرف مبذول ہوتی رہی ہیں۔ مثلاً ارسطو کے حوالے سے جو قول منقول ہے، اہمیت کا حامل ہے جس میں ان کا کہنا ہے کہ اس شخص نے خود پر ظلم کیا جسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں سے آیا ہے اور اس کا مقصد حیات کیا ہے۔ (1) یہی وجہ ہے کہ کافی عرصے سے علما نے اس موضوع پر مختلف کتابیں تحریر کی ہیں، جن میں سے موجودہ دور میں علامہ محمد تقی جعفری کی کتاب فلسفہ و ہدف زندگی اور استاد شہید مطہری کی کتاب فلسفہ زندگی و مرگ کو بطور نمونہ ذکر کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ مختلف تفاسیر اور عرفان کی کتابوں میں بھی اس موضوع کو نمایاں حیثیت دی گئی ہے جیسا کہ شمس تبریز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اس بات کی فکر میں لگے رہو کہ میں کون ہوں اور میرا جوہر کیا ہے اس دنیا میں میرے آنے کا مقصد کیا ہے اور مجھے کہاں جانا ہے۔(2)

بہر حال یہ موضوع اس وقت اہم سماجی موضوعات میں سے یہ ایک ہے جس کا براہ راست تعلق انسان کی نفرادی زندگی کے علاوہ اجتماعی زندگی سے بھی ہے اس کے علاوہ بہت سے اخلاقی اور فکری معاملات کا تعلق بھی اس موضوع سے رہتا ہے، چونکہ اگر انسان خود کو بے مقصد مخلوق تصور کرے تو وہ خود کو ہر چیز سے آزاد سمجھے گا جس سے معاشرے میں بہت سارے منفی مسائل پیدا ہونے کے امکانات رہتے ہیں بنابرایں ان سوالوں کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا حضرت انسان اپنی زندگی کو بامقصد سمجھتا ہے کہ نہیں؟ اگر ہدف مند سمجھتا ہے تو اس کی زندگی کا ہدف کیا ہونا چاہئے؟ کیا اس مادی اور دنیاوی زندگی کو ہی اپنا آخری ہدف سمجھتا ہے یا اسے کسی طویل اور حقیقی زندگی کے لیے مقدمہ قرار دیتا ہے؟ یعنی اس کی زندگی کا ہدف صرف خوردن، آشامیدن اور شہوت رانی تک محدود ہے یا اسے انسانی کمال تک پہنچنے کے لیے اس مادی زندگی کو وسیلہ اور ذریعہ سمجھتا ہے؟

یہ موضوع اس لیے بھی اہم ہے کہ معصومینؑ کے فرامین میں اس موضوع کے متعلق غور فکر کرنے والوں کو رحمت الٰہی کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ مبارک ارشاد ہے کہ:

"رَحِمَ اللہ اِمرَأً عَلِمَ مِن أینَ وَإلی أینَ وفِی أینَ" (3)

ترجمہ: "خدا اس شخص پر رحمت کرے جسے یہ معلوم ہو کہ کہاں سے آیا ہے، کہاں جانا ہے اور کہاں رہ رہا ہے۔"

زندگی کے اہداف کی شناخت ہی وہ اہم نکتہ ہے جس کی وجہ سے انسان کمال تک پہنچتا ہے اور ہلاکت سے خود کو نجات دیتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں وہ شخص جسے زندگی کے اہداف کا علم نہ ہو اور اس کے متعلق غور وخوض نہیں کرتا ہو وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ پاتا ہے۔ اس سلسلے میں کئی ایسے شواہد بھی ہیں جن کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات جسے ہدف کا علم نہ ہو وہ خودکشی کے مرحلے تک بھی پہنچتا ہے اور کسی

بھی مشکل صورتحال میں اپنی جان سے کھیلتا ہے۔ اسی ضرورت اور اہمیت کی وجہ سے اس موضوع کو بنیادی حیثیت دینے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرے میں بامقصد ترقی کا احساس زندہ ہو جائے۔

جب یہ بات روشن ہو گئی کہ انسان اور اس جہان ہستی کو اللہ تعالی نے بے مقصد خلق نہیں کیا ہے تو پھر یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ قرآن کی نگاہ میں وہ اہداف کیا ہیں اور قرآن اس حوالے سے ہماری کیا رہنمائی کر رہا ہے۔ قرآن میں متعدد آیتیں موجود ہیں جو اس جانب اشارہ کر رہی ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

''اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لاتُرْجَعُونَ'' (4)

ترجمہ: ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث اور بے کار خلق کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں پلٹائے جاؤ گے۔''

اس کے علاوہ قرآن ان صاحبان خرد و فکر کے بارے میں بھی ہمیں متوجہ کر رہا ہے جو اپنی عقل اور فہم کو اس سلسلے میں بروئے کار لاتے ہیں اور اسرار آفرینش کے متعلق غور وخوض کرنے کے بعد ان تمام خوبصورتیوں کے خالق وصانع کے کمال کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں اور ان تمام مخلوقات کے ہدف مند ہونے پر عین الیقین کی منزل تک پہنچتے ہیں جیسا کہ قرآن میں موجود ہے:

''الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' (5)

ترجمہ: ''جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔''

قرآنی نقطہ نظر سے اس موضوع کے بارے میں وضاحت کے ساتھ گفتگو کرنے سے پہلے موضوع کے متعلق لغوی اعتبار سے بحث کی ضرورت ہے تاکہ بہتر انداز میں اس موضوع پر تحقیق کی جاسکے۔ کلمہ ہدف بنیادی طور پر عربی لفظ ہے جسے اردو اور فارسی میں بھی استعمال کیا جاتا اس کی لغوی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے:

''الغرض الذی یرمی إلیه''

ترجمہ: ''ہدف وہ غرض اور مقصد ہے جس کی طرف تیر کو پھینکا جاتا ہے۔'' (6)

کتاب العین میں اس کی کچھ اس طرح تعریف کی گئی ہے:

''الهدف من الرجال، الجسیم الطویل العنق، کل شیء عریض و مرتفع'' (7)

ترجمہ: ''ہدف ایسے جسیم اور لمبے افراد پر استعمال ہوتا ہے جن کی گردن لمبی ہوتی ہے اسی طرح وسیع اور اُونچی چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔''

علما نے اس کی کچھ اصطلاحی تعریفیں بھی کی ہیں جیساکہ استاد محمد تقی جعفری نے ہدف کے بارے میں لکھا ہے:

'' هدف عبارت است از آن حقیقت منظور که آگاهی و اشتیاق به دست آوردن آن، محرك انسان به سوی انجام دادن حرکات معینی است که آن حقیقت را قابل وصول می سازد۔'' (8)

ترجمہ: ''ہدف سے مراد کسی حقیقت کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے اور اسے انجام دینے کی خواہش رکھنے کا نام ہے یا ایسی حقیقت کا نام ہدف ہے جو انسان کو ایسے امور کی انجام دہی پہ اشتیاق دلاتی ہے جو حقیقت کو قابل حصول بناتے ہیں۔''

اس کے علاوہ ایک اور اہم لفظ انسان ہے جو ہماری تحقیق کا محور بھی ہے اس کے اشتقاق اور لغوی استعمال کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے کوفیین کا کہنا ہے کہ انسان نسیان سے مشتق ہوا ہے چونکہ انسان اکثر اوقات فراموشی کا شکار رہتا ہے اسی بناپر انسان کہا گیا۔ (9) اسی خصلت انسانی کی وجہ سے عالم الست میں خدا نے انسانوں کو خود ان کے اپنے نفسوں پر گواہ بنایا تاکہ فراموشی یا کوئی دوسرا بہانہ نہ بنا سکیں:

'' وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِی آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ'' (10)

ترجمہ: ''اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ وہ

کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے)۔ یہ اقرار اس لیے کرایا تھا کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔''

اسی طرح کچھ اور اہل لغت کا کہنا ہے کہ انسان انس کے مادہ سے مشتق ہے اس کی دلیل یہ کہ انسان کی فطرت میں خدا نے انس و محبت رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان ہمیشہ ایک مونس کا محتاج رہا ہے اسی اساس پر ہی خاندان اور معاشرے کو بھی خدا نے تشکیل دیا تاکہ اپنے خاندان اور معاشرے سے میل ملاپ کر کے انسان اس فطری انس اور محبت کی آگ کو بجاسکے۔ (11) قرآن کریم میں انسانی زندگی کے لیے مختلف اہداف بیان ہوئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ عبادت

قرآن کریم کی روشنی میں انسانی زندگی کے اہداف میں سے ایک عبادت ہے جیساکہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

'' وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ '' (12)

ترجمہ: ''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف خدا کی عبادت کے لیے خلق کیا ہے۔''

اس آیت کی رو سے خدا نے انسان کی خلقت کا ایک مقصد خدا کی اطاعت اور عبادت قرار دیا ہے سوال یہ ہے کہ جس عبادت کو خدا نے ہدف زندگی قرار دیا ہے اس کا مفہوم کیا ہے اور اسے کس انداز سے انجام دینا چاہیے۔ علما نے اس قسم کے سوالوں کے جوابات تفصیل کے ساتھ دیئے ہیں۔

آیت مذکورہ میں "عبادت" کے لفظ سے شاید کسی کو یہ گمان پیدا ہو کہ عبادت اور بندگی سے مراد وہی امور ہیں جنہیں عرف عام میں عبادات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلا نماز، روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ اور انہیں عبادت کا بجالانا انسانی زندگی کا نصب العین ہے۔ یہ تصور غلط ہے۔ کیوں کہ قرآن عبادت اور بندگی کو انسانی تخلیق کا واحد مقصد قرار دے رہا ہے۔

اگر عبادت سے مراد محض نماز ہو تو وہ تو دن میں صرف پانچ وقت کے لیے فرض ہے۔ بقیہ اوقات میں نہیں، اس طرح یہ تصور لازم آئے گا کہ خدائے تعالیٰ نے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف

چند لمحات پانچ نمازوں کے لیے مقرر کرکے انسان کو اپنے مقصد اور نصب العین کی طرف متوجہ کیا اور باقی سارا وقت اسے اصل مقصد تخلیق سے بے نیاز ہو کر گزارنے کے لیے چھوڑ دیا

اگر عبادت سے مراد محض روزہ ہو، تو وہ سال میں صرف ایک ماہ کے لیے فرض ہے۔ بقیہ مہینوں میں نہیں۔ اس طرح یہ تصور لازم آئے گا کہ خدائے تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک ماہ کے لیے انسان کو اپنے مقصد اور نصب العین کی طرف متوجہ کیا اور باقی سارے عرصے میں اسے اصل مقصد سے صرف نظر کرنے کی اجازت دے دی؟

اگر عبادت سے مراد محض زکاۃ ہو، تو وہ بھی سال میں صرف صاحب نصاب کے لیے ایک مرتبہ فرض ہے۔ اس طرح بقیہ عرصہ میں اور دیگر لوگوں کے لیے اپنے مقصد تخلیق کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی؟ اگر عبادت سے مراد محض حج ہو تو وہ بھی صاحب استطاعت کے لیے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض کیا، بقایا عمر مقصد حیات سے صرف نظر کرتے ہوئے بسر ہو گی؟ اگر ارکان اسلام کے علاوہ دیگر جملہ عبادت کو بھی شامل کر لیا جائے تو وہ ساری کی ساری مل کر بھی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط نہیں ہو سکتیں۔ انسان کھاتا پیتا بھی ہے، سوتا جاگتا بھی ہے۔ شادی بیاہ بھی کرتا ہے تجارت اور کاروبار بھی کرتا ہے اور دیگر ہر طرح کے معاملات زندگی بھی نبھاتا ہے۔

ان تمام معاملات کو ''عبادات'' کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس سارے کاروبار حیات کو جاری رکھنے کا حکم بھی اسلام نے ہی دیا ہے۔ کیوں کہ اسے ترک کرکے ہمہ وقت عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا ''رہبانیت'' ہے۔ جسے نظام حیات کے طور پر اپنانے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی عبادت ہے جس کو انسانی تخلیق اور اس کی حیات کا مقصد اور نصب العین قرار دیا گیا ہے جو جملہ عبادات اور معاملات حیات میں یکساں طور پر انسان کے پیش نظر رہ سکے۔ یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اصل نصب العین اور مقصد وہ ہوتا ہے جو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہ ہونے پائے۔ جو لمحہ مقصد سے بے توجہی اور بے التفاتی میں بسر ہو، گناہ ہوتا ہے اور بارگاہ ربوبیت میں ناپسندیدہ۔

اگر عبادت سے مراد وہی تصور لیا جائے جو عام مذہبی ذہن میں راسخ ہے تو اس طرح انسانی زندگی کے جائز اور مشروع معاملات بھی تضاد کا شکار ہو جائیں گے۔ کیوں کہ بعض معاملات انسانی نصب العین کے مطابق

ہوں گے اور بعض اس کے خلاف۔ اس الجھاؤ اور شبہ کو رفع کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ عبادت اور بندگی کا وہ جامع اور وسیع تصور ذہن نشین کرلیا جائے جو انسانی زندگی کے جملہ معاملات پر حاوی ہے اور جس کا تعارف خود قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

'' نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ (انسان) اللہ پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اللہ سے محبت کی خاطر اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں (حاجتمندوں) اور غلاموں کو آزاد کرنے پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکاۃ دے، جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، اور مصائب و آلام میں، مشکلات و شدائد اور جنگ و جدال میں صبر کرے۔ ایسے ہی لوگ سچے اور متقی و پرہیزگار ہیں''۔(13)

اس آیت مبارکہ میں عبادت اور نیکی کا اصل تصور بیان کرنے سے پہلے لوگوں کے زعم میں موجود تصور کی نفی کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ تعریف جامع بھی اور مانع بھی ہے۔ عوام کے ذہنوں میں عام طور پر محدود تصور راسخ ہوتا ہے اور وہ نماز ہی طرح کی عبادت کو عبادت، نیکی اور بندگی کہتے ہیں۔ زندگی کے باقی معاملات دنیاداری تصور کیے جاتے ہیں۔ قرآن نے سب سے پہلے اس راہبانہ تصور عبادت کو رد کر دیا کہ اگر کوئی شخص مشرق و مغرب کی جانب یعنی قبلہ رو ہو کر نماز وغیرہ پڑھنے کو ہی نیکی اور اصل عبادت سمجھتا ہے تو یہ غلط ہے۔ اسلام کے نزدیک عبادت اور نیکی کا مفہوم اس قدر محدود نہیں کہ جس کا بقیہ عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بلکہ قرآنی تصور عبادت اور اسلامی مفہوم تقویٰ اس قدر وسیع ہے جو انسان کی فکری اور عملی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے۔ اسلام کا تصور بندگی یہ ہے کہ انسانی زندگی درج ذیل خصائص کی جامع ہو۔

- **صحت عقائد:** جس میں اللہ تعالیٰ، آخرت، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔
- **حب الٰہی:** جس کا ثبوت خلق خدا کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور مالی ایثار و قربانی کے ذریعہ فراہم کیا جائے۔

- **مالی ایثار:** اپنے وسائل دولت، مستحق رشتہ داروں، یتامی و مساکین، غرباء و فقراء اور غلامی و محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کی آزادی، معاشی بحالی اور آسودگی پر خرچ کیے جائیں۔
- **صحت اعمال:** نماز اور روزہ وغیرہ کے احکام کی پابندی کی جائے۔
- **ایفائے عہد:** انسان جو عہد اور فیصلہ کرے عزم و ہمت کے ساتھ اس پر ثابت قدم رہے۔
- **صبر و تحمل:** مصائب و شدائد کے تمام غیر معمولی حالات میں بھی صبر و تحمل اور عزم و استقلال کے ساتھ قائم رہے۔
- **راہ خدا میں جدوجہد:** حق کی خاطر کسی قسم کی مخالفت و مخاصمت سے نہ گھبرائے خواہ وہ کھلی جنگ کی صورت ہی کیوں نہ ہو۔

کتاب مجمع البحرین میں عبادت کا مفہوم کچھ اس طرح بیان ہوا ہے:

''العبادۃ الطاعۃ مع الخضوع۔'' (14)

ترجمہ: ''عبادت خضوع کے ساتھ اطاعت کا نام ہے۔''

راغب نے مفردات میں کچھ اس طرح تعریف کی ہے:

''العبودیۃ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منہا لانہا غایۃ الذلل، ولا یستحقہا الا من لہ غایۃ الاخصال۔'' (15)

ترجمہ: ''عبودیت اطاعت اور فرمان برداری کے اظہار کا نام ہے، جبکہ عبادت اس سے بلیغ تر ہے چونکہ اس میں عاجزی اور تذلل کی انتہا ہے یہ صرف اس ذات کے ساتھ مخصوص ہے جو انسان کے ساتھ انتہائی حد تک احسان کرتا ہے۔''

اس سلسلے میں معروف مفسر قرآن علامہ طباطبائی لکھتے ہیں:

''حقیقت عبادت این است کہ بندہ خود را در مقام ذلت قرار بدہد۔'' (16)

ترجمہ: ''عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خود کو مقام ذلت میں قرار دے۔''

ان مفاہیم سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبادت ایک حقیر اور پست وجود کا ایک عظیم اور بے پایاں ذات کے سامنے اظہار عاجزی کا نام ہے اس کا لازمی نتیجہ اطاعت کی شکل میں سامنے آتا ہے یعنی اطاعت اپنے تمام وجود کے ساتھ اس ذات کے سامنے خود کو مطیع ٹھہرائے جانے سے عبارت ہے اور جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو، صرف معروف عبادات کی حد تک اس عمل کو مخصوص نہ کرے۔

چونکہ شریعت اسلامی کی رو سے ہر وہ عمل جو قرب الٰہی کی نیت کے ساتھ انسان انجام دے وہ عبادت میں شمار ہوتا ہے اسی لیے اس کا دائرہ اطلاق بھی بہت وسیع ہے۔ جیسا کہ پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کا یہ نورانی ارشاد بھی اس بات کی تائید کرتا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''یا علی احتسب بما تنفق علی نفسك تجده عند الله مذخورا'' (17)

ترجمہ: ''اے علیؑ جو کچھ خود پر خرچ کرتے ہو اس کا احتساب کرو تاکہ اسے خدا کے ہاں پاوگے۔''

اس نورانی حدیث سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ انسان خدا کے لیے کوئی بھی عمل انجام دے تو وہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور خدا کے ہاں وہ محفوظ بھی ہو جاتا ہے۔ احادیث اور ائمہؑ کے فرامین میں عبادت کی بہت سی قسمیں بیان ہوئی ہے جن میں امیر المومنینؑ کا یہ فرمان مبارک مشہور ہے آپ نے انتہائی سلیس اور بلیغ انداز میں اس کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے:

'' ان قوما عبدوا الله رغبة فتلك عبادة التجار، و ان قوما عبدوا الله رهبة فتلك عبادة العبيد و ان قوما عبدوا الله شكرا فتلك عبادة الاحرار و هي افضل العبادة'' (18)

ترجمہ: ''کچھ لوگ خدا کی عبادت ثواب کی خاطر کرتے ہیں یہ تاجروں کی عبادت ہے کچھ اور خوف خدا کی خاطر خدا کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے اسی طرح کچھ لوگ خدا کی نعمتوں کی شکر گزاری کے لیے عبادت کرتے ہیں جو آزاد منش انسانوں کی عبادت ہے یہی بہترین عبادت بھی ہے۔''

جیسا کہ اس فرمان مبارک سے یہ معلوم ہوا کہ امیر المومنینؑ کی نگاہ میں عبادت کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تاجروں کی عبادت دوسری قسم غلاموں کی عبادت تیسری قسم آزاد لوگوں کی عبادت اور سب سے بہترین عبادت آخری قسم ٹھہرائی گئی چونکہ اس عبادت کا تعلق کسی فائدے سے نہیں ہے اور انسان اس مرحلے میں خود کو انسانی کمال کی منزل پر فائز سمجھتا ہے جبکہ عشق و احساس ذمہ داری کے علاوہ اس کی نگاہ

میں کچھ نہیں ہوتا ہے اور خدا کی ذات کو اپنی آخری غایت قرار دیتا ہے جیسا کہ امیر المومنینؑ کا ہی ارشاد ہے کہ :

''یا ولی المومنین یا غایة آمال العارفین، یا غیاث المتستغیثین، یا حبیب قلوب الصادقین و یا اله العالمین'' (19)

ترجمہ : ''تو مومنین کا سرپرست، عارفین کا مرکز امید، فریادیوں کا فریادرس۔ صادقین کا محبوب اور عالمین کا معبود ہے۔''

اسی طرح ایک اور موقع پر امام عالی مقامؑ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

''ما عبدتك خوفا من عقابك ولا طمعاً فی ثوابك ولكن وجدتك اهلا للعبادة فعبدتك'' (20)

ترجمہ : '' (اے خدائے کریم) میں تیری عبادت عذاب کے خوف سے یا ثواب کی کی لالچ میں نہیں کرتا چونکہ تجھے لائق عبادت پایا اسی لیے تیری عبادت کرتا ہوں۔''

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد منش انسانوں کی حقیقی عبادت اس مادی جسم سے نکل کر عشق کی وادی میں قدم رکھنے سے ہی تکمیل ہو جاتی ہے جہاں انہیں نفع و نقصان سے زیادہ محبوب کی چاہت کا خیال رہتا ہے۔ ہر اچھی چیز کی طرح عبادت کے بھی انسان کی مادی اور معنوی زندگی پر مختلف النوع اثرات و فوائد ہیں جن کی وجہ سے انسان کمال کی بلندیوں کو چھو لیتا ہے۔ عبادت کے حوالے سے چند اہم نکات ملاحظہ ہوں :

الف۔ بہشت کا مستحق ہونا :

عبادت کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ وہ انسان کو بہشت تک رسائی کے قابل بناتی ہے اور ابدی ہلاکت سے انسان کو نجات دے کر حقیقی کامیابی کی منزل تک پہنچاتی ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد گرامی ہے :

'' ان الله تبارك و تعالی لم یخلق خلقه عبثاً، ولم یترکم سدی بل خلقهم لاظهار قدرته و لیکلفهم طاعته فیستوجبوا بذالك رضوانه، و ماخلقهم لیجلب منهم منفعة لیدفع بهم مضرة بل خلقهم لینفعهم و یوصلهم الی نعیم الابد۔'' (21)

ترجمہ: ''اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات کو عبث اور فضول خلق نہیں کیا ہے اور بے کار نہیں چھوڑا بلکہ انہیں اپنی قدرت کے اظہار کے لیے خلق کیا ہے اور انہیں اپنی اطاعت کا پابند بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعے خود سے متوقع نقصان کو دور کر لیں اسی طرح انہیں فائدہ پہنچانے اور ابدی نعمت کی طرف پہنچانا بھی خلقت انسانی کا ہدف ہے۔''

ب۔انسانی تربیت کا ذریعہ:

انسانی تربیت میں عبادت کا کردار اہم ہوتا ہے اسی لیے کئی اسلامی منابع میں اس کو نمایاں انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے کہ:

''رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا۔'' (22)

ترجمہ: ''وہ رب ہے آسمان اور زمین کا اور ان چیزون کا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں پس تم اس کی بندگی اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو کیا کوئی ہستی ہے تمہارے علم میں اس کی ہم پایہ۔''

نفس، انسان کو ہمیشہ راحت اور آسائش کی طرف بلاتا ہے اسی لیے عبادت انسان کے لیے ہمیشہ مشقت آور ہوتی ہے اس کے باوجود انسانی تربیت میں اس کی اہمیت کی وجہ سے خدا نے مندرجہ بالا آیت میں صبر سے پیش آنے کی تلقین کی ہے، چونکہ انسانی جبلت کے اندر موجود شہوانی عنصر اور عقل کی محدودیت کی وجہ سے ان ماورائے طبیعت حقیقتوں سے انسان لاعلم رہتا ہے جو خدا کے ہاں ہمیشہ سے موجود ہیں۔

ج۔احساس ذمہ داری کا احیاء:

عبادت کے اثرات وفوائد میں سے ایک انسان کے اندر احساس ذمہ داری کا احیا ہے جس کی طرف کئی موارد میں ائمہؑ نے تاکید کی ہیں جیسا کہ امام علی ابن موسی رضاؑ کا ارشاد گرامی ہے جس میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

فان قال: ''فلم تعبدهم؟ قيل لئلايكونوا ناسين لذكره. ولاتاركين لادبه ولا لاهين عن أمره و نهيه اذكان فيه صلاحهم و قومهم فلوتركوا بغير تعبد لطال عليهم الامد فقست قلوبهم۔'' (23)

ترجمہ: ''اگر کوئی کہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو عبادت کا حکم کیوں دیا ہے کیا خدا کو عبادت کی ضرورت ہے؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تاکہ یاد خدا فراموشی کا شکار نہ ہو اور خدا کے

محضر میں انسان مودب رہے اسی طرح اس کے امر و نہی سے انسان غافل بھی نہ ہو چونکہ اسی میں ان کی فلاح ہے اگر لوگ بغیر عبادت کے رہ جائیں تو زمانے کے گزرنے کے ساتھ قساوت قلبی کا شکار ہو جائیں گے۔''

مذکورہ بالا مفاہیم سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ کہ عبادت انسان کے قلب اور روح کو بیدار کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہونے کے ساتھ یاد خدا کا بالاترین وسیلہ بھی ہے۔ نماز پنجگانہ کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ بے بند و قید دنیاداری میں مشغول انسان کو خدا کی یاد کی طرف بلاتی ہے۔

۲۔ آزمائش

قرآن میں جن آیتوں میں انسانی زندگی کے اہداف مذکور ہیں ان میں سے بعض آیتوں میں آزمائش بھی ایک ہدف کے طور پر بیان ہوا ہے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

''الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ أَیُّکُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَھُوَالْعَزِیزُالْغَفُورُ'' (24)

ترجمہ: ''وہ ذات کہ جس نے موت اور حیات کو خلق کیا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھا عمل انجام دیتا ہے اور وہ شکست ناپزیر اور معاف کرنے والا ہے۔''

آیت اللہ مکارم شیرازی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

'' مسئلہ آزمایش و امتحان انسانھا از نظرحسن و عمل بہ عنوان یك ھدف معرفی شدہ است۔'' (25)

ترجمہ: ''انسانوں کی آزمائش کا مسئلہ ایک ہدف اور مقصد کے طور پر متعارف ہوا ہے۔''

اس آیت سے واضح انداز میں معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے انسان کی خلقت کا بنیادی ہدف آزمائش قرار دیا ہے چونکہ اس آیت میں ''بلا'' کا مادہ ذکر ہوا ہے جو خود امتحان کا مفہوم اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور آزمائش کی ایک قسم ہے۔

یہ ہدف مند آزمائش تمام انسانوں کے لیے ہے ، کسی زمان اور مکان کے ساتھ خاص نہیں جو لوگ یہ گمان اور خیال کرتے ہیں کہ ہماری آزمائش نہیں ہو گی تو ان کے لیے خدا نے صراحتاً کہا کہ حتماً آزمائے جاو گے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے :

'' أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لا يُفْتَنُونَ۔'' (26)

ترجمہ : ''کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور اُن کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔''

اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ میں صراحت کے ساتھ بیان ہو رہا ہے :

''وَلِيَبْتَلِيَ اللهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔'' (27)

ترجمہ : ''اور تاکہ خدا آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔''

ان آیتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ خدا کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ ہر کسی کو آزمایا جائے گا اور ان کو اس الٰہی معیار پر اترنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اس موضوع کے متعلق کثرت کے ساتھ پیغمبر ﷺ کی احادیث اور ائمہؑ کے فرامین ملتے ہیں جیسا کہ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے :

''وان کان سبحانہ اعلم بھم من انفسھم ولکن لتظھر الافعال التی بھا یستحق الثواب العقاب۔'' (28)

ترجمہ : ''اگرچہ خدا ان کے اعمال کے متعلق خود ان سے زیادہ آگاہ ہے مگر ان سے امتحان اس لیے لے رہا کہ تاکہ ان سے ایسے افعال ظاہر ہو جائیں جو انہیں عقاب اور جزا کے مستحق بنا دیتے ہیں۔''

۳۔ معرفت خدا :

قرآن میں انسانی زندگی کے اہداف میں سے ایک معرفت خدا ذکر ہوا ہے :

”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔“ (29)

ترجمہ: ”اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمینیں بھی اتنی ہی، ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے اور یہ جان لو اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ فرما رکھا ہے۔“

جیسا کہ اس آیت سے واضح ہو رہا ہے خدا کی قدرت کے بارے میں علم اور آگاہی آسمان اور زمین کی خلقت کے اہداف کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ (30) مختلف احادیث میں معرفت کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں اور اس ضمن میں یہ بھی ذکر ہوا کہ خدا کی معرفت کے لیے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے خود اپنی معرفت اور شناخت حاصل کرے جیسا کہ امیر المومنین نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارف وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی شناخت حاصل کرے۔ (31)

۴۔ مشمول رحمت الٰہی قرار پانا

قرآن میں انسانی زندگی کے اہداف میں سے ایک رحمت خدا کی طرف انسان کی رسائی بیان ہوا ہے یعنی خدا نے انسان کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دینے کے لیے خلق کیا ہے اب یہ انسانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ خود کو اس قابل بنائیں جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:

”إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔“ (32)

ترجمہ: ”مگر جس پر تیرے رب نے رحم کیا، اور اسی لیے انہیں پیدا کیا، اور تیرے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ البتہ دوزخ کو اکٹھے جنوں اور آدمیوں سے بھر دونگا“

اس موضوع کے متعلق مختلف اسلامی منابع میں کئی احادیث بیان ہوئی ہیں جیسا کہ سلمان فارسیؓ نے خدا کی رحمت کے بارے میں رسول اسلام ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے:

”ان اللہ عزوجل مائة رحمة انه انزل منها واحدة الى الارض فقسمها بين خلقه بها يتعاطفون ويتراحمون واخر تسع و تسعون لنفسه يرحم بها عباده يوم القيامة“ (33)

ترجمہ: ''خدا نے رحمت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ زمین پر نازل کیا ہے اور اس کو اپنی تمام مخلوقات کے درمیان تقسیم کیا ہے تمام مخلوقات میں جتنے بھی محبت اور رحم کے مظاہر موجود ہیں وہ اسی ایک حصے کی وجہ سے ہے باقی ننانوے حصے اپنے لیے رکھے ہیں تاکہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کر سکے۔''

معانی الاخبار میں بھی ایک روایت کچھ اس طرح نقل ہوئی ہے کہ ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ سے خدا کے اس قول کے بارے میں پوچھا:

''الا من رحم ربك ولذالك خلقهم'' (34)

ترجمہ: ''مگر جس پر تیرے رب نے رحم کیا، اور اسی لیے انہیں پیدا کیا''

تو امامؑ فرمانے لگے کہ خدا نے انہیں خلق کیا تاکہ انہیں مستوجب رحمت بنائے۔ بہر حال یہاں انسانی زندگی کے اہداف کو قرآن کی حد تک محدود رکھا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ طوالت سے احتراز کرتے ہوئے اختصار اور جامعیت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور قرآن کی روشنی میں چند تحقیقی نکات پیش کئے جائیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ موحد، محمد علی، تفسیر ونقد و تحلیل مثنوی، ج1، ص588، تصحیح و تعلیق: 1356

2۔ تبریزی، محمد، شمس الدین، نشر مرکز تہران، چاپ سوم، 1378، ویرایش متن، جعفر مدرس صادقی

3۔ مجلسی، محمد باقر بحار الانوار، ج28، ص401 چاپ موسسہ الوفا بیروت لبنان 1404ہ ق

4۔ مومنون/115

5۔آل عمران: ۱۹۱

6۔ مسعود، جبران، لغت الرائد، ج2، ص556، طبع خامس، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، مؤسسۃ ثقافیۃ، 1986م

7۔الفراہیدی، خلیل ابن احمد، ترتیب کتاب العین، ج3، ص1874، انتشارات اسوہ، التابعۃ لمنظمۃ الأوقاف و الأمور الخیریۃ، 1414ہ ق

8۔ جعفری، محمد تقی. فلسفہ وہدف زندگی، ص16، موسسہ تدوین ونشر آثار علامہ جعفری، 1379ہ ش

9۔روحی، محمد، تفسیر مفردات قرآن فی ترتیب مجمع البیان و المیزان، واژہ انس، انتشارات احیاء کتاب، طبع اول، تہران 1429ہ ق

10۔اعراف/172

11۔التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج1، ص162

12۔ذاریات/ ۵۶

13۔ سورہ بقرہ/۱۷۷

14۔ مجمع البحرین، ج3، ص92

15۔ مفردات الفظ القرآن، مادہ عبد 1413ق

16۔ تفسیر المیزان، ج18، ص582

17۔ بحار الانوار، ج74، ص68

18۔ نہج البلاغہ، حکمت 126

19۔ مفاتیح الجنان، دعای کمیل

20۔احسانی، محمد بن علی، عوالی الآلی، ج1، ص404 انتشارات رضی قم، 1405ش

21۔ علل الشرایع، ج2، ص9

22۔مریم:/65
23۔صدوق ،علل الشرایع ،ج1،ص25
24۔ملک:/2
25۔تفسیر نمونہ،ج72،ص386
26۔عنکبوت:/2
27۔آل عمران:/154
28۔نہج البلاغہ، کلمات قصار،،90، فیض الاسلام
29۔طلاق:/12
30۔شیرازی،مکارم، تفسیر نمونہ،ج22،ص386
31۔تمیمی،عبدالواحد، غررالحکم،ج4،ص341. دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم،سال1344ش
32۔ہود:/119
33۔طبرسی، فضل بن حسین، مجمع البیان فی تفسیر القرآن،ج1،ص21. ناشر دارالمعرفہ چاپ بیروت سال1426ق
34۔المیزان،ج11،ذیل آیہ 121 ہود از نقل معانی الاخبار

روز عرفہ کی عظمت
اور
دعائے عرفہ سے معرفت الٰہی کی چند جھلکیاں

سید رمیز الحسن موسوی[1]
Srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: عرفات، دعا، یوم عرفہ، معرفت الٰہی، اسما و صفات الٰہی، نعمات الٰہی، توبہ و انابہ

خلاصہ

کسی چیز میں تفکر وتدبر کے ساتھ اس کے ادراک کو عرفہ کہتے ہیں۔ نو ذی الحجہ کو روز عرفہ کا نام دیا گیا ہے۔ معرفت کے اس اہم ترین دن بندوں کو عبادت و دعا کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ دن شب قدر کے بعد گناہوں کی بخشش کا عظیم ترین دن ہے۔ ائمہ اطہارؑ لوگوں کو اس دن کی اہمیت سے روشناس کراتے اور انہیں اس دن کے اعمال کی طرف متوجہ کراتے تھے۔ ائمہ معصومینؑ سے اس دن کی مناسبت سے بہت زیادہ دعائیں نقل ہوئی ہیں۔ جن میں سے سب سے اہم دعا، امام حسینؑ کی دعائے عرفہ ہے جس امیں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت، اپنے پروردگار سے پیمان و تجدید عہد، انبیائے کرام کی معرفت، عقیدہ معاد پر اعتقاد، آفاق کائنات میں غور و فکر، اللہ کی بے شمار نعمتوں پر حمد و شکر، بارگاہ الٰہی میں گریہ اور توبہ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عفو و بخشش کی درخواست اور نیک اعمال و پسندیدہ صفات کی طرف رجوع ے کا عہد اور اپنی حاجات کی درخواست۔۔۔ جیسے مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ اس مقالے میں عرفہ کے دن کی مناسبت سے امام حسین علیہ السلام کی دعا میں مذکور معرفت الٰہی کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

1۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (سمت) بارہ کہو، اسلام آباد

روز عرفہ کی عظمت

"عَرَفَة" عربی زبان کا لفظ ہے جو مادہ "ع رف" سے کسی چیز کے آثار میں تفکر اور تدبر کے ساتھ اس کی شناخت اور ادراک کے معنی میں آتا ہے۔ (1) عرفہ کا نام سرزمین عرفات (مکہ مکرمہ کی وہ جگہ جہاں حاجی توقف کرتے ہیں) سے ماخوذ ہے اور عرفات کو اس لئے عرفات کہا جاتا ہے کہ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک مشخص اور شناختہ شدہ زمین ہے۔ (2)

یوم عرفہ، اہم ترین اسلامی ایام میں سے ہے، اگرچہ اس دن کو عید کا نام نہیں دیا گیا، لیکن اس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت اور اطاعت کی طرف دعوت دی ہے اور اُن کے لئے اپنے فضل واحسان کا دستر خوان بچھایا ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے عرفہ کے دن ایک فقیر کی صدا سنی جو لوگوں سے مدد کی درخواست کر رہا تھا۔ امام علیہ السلام نے اُس کو مخاطب ہو کر فرمایا:

''وائے ہو تم پر! کیا تم دست نیاز غیر خدا کی طرف دراز کر رہے ہو حالانکہ آج کے دن ماؤں کے پیٹ میں موجود بچے بھی اللہ تعالیٰ کے لطف و فضل سے بہرہ مند ہونے کی اُمید رکھتے ہیں اور سعادت مند ہو جاتے ہیں۔'' (3)

بہت ساری احادیث میں اس دن کو گناہوں کے بخشے جانے کا خصوصی دن قرار دیا گیا ہے۔ (4) اور یہ دعا قبول ہونے کا دن۔ (5)

ہماری دینی ثقافت میں نو ذی الحجہ کو روز عرفہ کا نام دیا گیا ہے۔ دینی تعلیمات کے مطابق عرفہ کا دن، معرفت و شناخت کا دن ہے اور عرفہ کا دن، قیامت کے دن کی مانند ہے۔ انسان اس دن اس بات کا عرفان حاصل کرتا ہے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے، اُسے کہاں جانا ہے اور روز محشر کی طرف اس سفر کے لئے اُسے کیا کیا کام انجام دینے چاہیں۔

بہر حال، عرفہ کا دن انسان کی طرف سے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اپنے اعمال کا حساب دینے کا دن ہے۔ لہٰذا روز عرفہ انسان کو اپنے وجود کے اندر جھانکنے اور اپنا محاسبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول روایات کے مطابق عرفہ کے دن کا بہترین عمل یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں

کو یاد کرے اور تسبیح ہاتھ میں لے کر اپنے گناہوں کو شمار کرے اور تسبیح کا ایک ایک دانہ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہے: ''انی غفلتُ '' اے اللہ! میں نے تم سے اور تو نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے، اُن سے غفلت کی ہے۔'' انی سھلتُ ''میں نے اپنے بارے میں سستی و سہل انگاری کی ہے۔غلفت اور سستی کے اسی اعتراف کی وجہ سے انسان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

روز عرفہ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ دن شب قدر کی راتوں کے بعد گناہوں کی بخشش کا عظیم ترین دن ہے اس دن کی عبادت اور استغفار کے بدلے بے شمار گناہوں کی بخشش کا وعدہ کیا گیا ہے۔اس دن بندوں پر رحمت الٰہی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔اس سلسلے میں میدان عرفات میں موجود لوگوں اور دوسرے شہروں میں رہنے والے لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جو شخص بھی اس دن اپنے آپ کو غفلت سے نکالے گا اور معرفت الٰہی اور قرب الٰہی کی منازل طے کرے، بخشا جائے گا اور اس پر مغفرت اور رحمت الٰہی کے دروازے کھل جائیں گے۔

روز عرفہ کے دن کی مأثورہ دعاؤں سے پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں اپنے مالک وخالق کی معرفت حاصل کرے اور اپنے ربّ کا عاشق حقیقی قرار پائے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی معرفت وشناخت کے تمام راستوں کو طے کرنا چاہیے۔ عالم طبیعت سے لے کر عالم انفس تک کی معرفت اور اس معرفت کے ذریعے اپنے رب اور خالق کی رحمت عام کی معرفت حاصل کر کے اُس کے اسماء و صفات اور کمالات کی معرفت تک پہنچے۔

پس عرفہ کا دن پروردگار عالم کی بارگاہ میں دعا و مناجات کا دن ہے۔دعا کہ جو امام علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق انسانوں کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، در حقیقت انسان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں، اس دنیا میں وہ فقط دعا کا مالک ہے۔ امیر المؤمنینؑ اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعائے کمیل میں فرماتے ہیں:

'' یا سریع الرّضا اغفر لمن لایملك الّا الدّعا'' (6)

ترجمہ: ''اے جلدی راضی ہونے والے اس شخص کو بخش دے کہ جس کے پاس دعا کے علاوہ کوئی اور سرمایہ نہیں۔''

لہٰذاانسان کے ہاتھ میں فقط دعا ہی وہ ہتھیار ہے کہ جس کے ذریعے وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کرسکتا ہے۔ اسی لئے امام رضا علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے: ''علیکم بسلاح الانبیاء''۔(7) یعنی؛ تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو انبیائے کرام کے اسلحہ سے لیس کرواور اس اسلحہ سے مراد دعا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نزدیک سب سے کمزور انسان وہ ہے کہ جو دعا کرنے سے بھی عاجز ہو لہٰذا آپؑ فرماتے ہیں: ''اعجزالنّاس من عجزعن الدّعاء''(8) اسی لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا اگرچہ مستحب ہے لیکن اگر انسان روزہ رکھنے کی وجہ سے دعائے عرفہ نہ پڑھ سکتا ہو تو دعائے عرفہ کو روزے پر ترجیح دے۔(9)

بنابریں، روز عرفہ ،ایک ایسادن ہے کہ جس دن انسان اپنے نفس کا تحلیل و تجزیہ کرے اور اپنے نفس سے یہ سوال کرے کہ کیا اس نے اپنے آپ کو فانی دنیا کے حوالے کردیا ہے یا اپنے ربّ کے حوالے کیاہوا ہے۔اگر وہ اپنے آپ کو اپنے ربّ کے سپرد کرچکا ہے تو اس کا سخت محاسبہ کرے اور جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اُن پر نفس کی سخت توبیخ کرے۔

روز عرفہ کی مناسبت سے ائمہ اطہارؑ کی دعائیں

ائمہ اطہار علیہم السلام اس دن کیلئے ایک خاص احترام کے قائل تھے اور لوگوں کو اس دن کی اہمیت سے روشناس کراتے اور انہیں اس دن کے اعمال کی طرف متوجہ کراتے تھے اور کبھی بھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں بھیجتے تھے۔(10)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص ماہ رمضان المبارک میں مغفرت کی توفیق حاصل نہ کرسکے تو اُسے چاہیے کہ روز عرفہ کے دن مغفرت ورحمت الٰہی سے بہرہ مند ہونے کی سعی کرے۔ یہ واحد وہ دن ہے کہ جو اجتماعی دعااور مناجات کے لئے مخصوص ہے۔ اسی لئے ائمہ معصومین علیہم السلام سے اس دن کی مناسبت سے بہت زیادہ دعائیں نقل ہوئی ہیں۔(11) جن میں سے سب سے زیادہ اہم دعا، امام حسین علیہ السلام اور آپ کے فرزند گرامی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دعائے عرفہ ہے۔ یہ دونوں دعائیں بلند ترین معارف اور عالی ترین نکات سے بھری پڑی ہیں۔

دعائے عرفہ کے بلند مرتبہ معارف

یہ عظیم الشان اور مشہور و معروف دعا حج کے دوران میدان عرفات میں پڑھی جاتی ہے اور عرفہ کے دن یعنی، نو ذی الحجہ کو قصد قربت کے طور پر دوسرے تمام مقامات پر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔(12) لہٰذا سرزمین عرفات کے علاوہ پورے عالم تشیع میں روز عرفہ کو اس دعا کا پڑھا جانا شیعوں کے ہاں معمول بن چکا ہے اور تمام مساجد و اماکن مقدسہ میں اس دعا کو پورے اہتمام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کو ہزاروں کی تعداد میں لوگ سنتے ہیں۔

یہ ماثورہ دعا غالب اسدی کے بیٹوں بشر و بشیر سے منقول ہے اور تمام کتب ادعیہ میں نقل ہوئی ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے بلند مرتبہ معارف و مضامین پر مبنی اس دعا میں کہ جو سال کے مناسب ترین وقت یعنی روز عرفہ میں بارگاہ الٰہی میں پیش کی گئی ہے، بلند ترین توحیدی تعلیمات و معارف کو دلنشین کلمات کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس دعا کے مختلف جملات میں توحید الٰہی کے سلسلے میں عرفان و معرفت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھنے کو ملتا ہے اور راہ حق کے سالکین کے لئے سیر و سلوک کی محکم بنیادیں فراہم ہوتی ہیں، کیونکہ امام عالی مقامؑ نے اس مناجات کو کعبہ کے نزدیک مقدس ترس سرزمین یعنی عرفات میں خدا کی بارگاہ پیش کیا ہے۔ آیت اللہ جوادی آملی اس عظیم الشان دعا کی معنوی عظمت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''حج و زیارت خانہ خدا کے عبادی اور سیاسی پہلو کی بہترین انداز میں وضاحت کرنے والی اہم ترین دعا، دعائے عرفہ ہے کہ جو اہل معرفت اور میدان شہود و شہادت کی طرف سفر کرنے والوں کے درمیان معروف عارف، طاغوت کے خلاف میدان توحید کے جانباز اور حریت پسندوں کے سید و سردار حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا ہے۔ یہ دعا جہاں کفر ستیزی کا دستور اور طاغوتی راستوں کو ختم کرنے اور مجرمین کی سرکوبی کرنے کا راستہ دکھاتی ہے وہاں اسلامی حکومت کی مدح وستایش بھی ہے اور مکتبی سیاست اور ولایت الٰہی کے ظہور پذیر ہونے کا طریقہ بھی معین کرتی ہے۔''(13)

امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ کو دیکھا جائے تو در حقیقت قیام عاشورا در حقیقت عاشورا کا آغاز روز عرفہ ہی سے ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ چونکہ امام حسین علیہ السلام ''جبل الرحمۃ'' (14) کے پاس دعائے عرفہ

کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر کربلا کی جانب حرکت کرتے ہیں۔ اس دعا میں اصیل ترین الٰہی اور توحیدی معارف سید الشہداء امام حسین علیہ السلام جیسی ہستی کی زبان مبارک سے بیان ہوئے ہیں۔ جن سے اس دن کی عظمت اور رفعت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول دعائے عرفہ میں بھی اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان رابطے کے حوالے سے بلند ترین معارف بیان ہوئے ہیں جو کسی عام انسان کی زبان سے ہر گز بیان نہیں ہو سکتے۔ توحید الٰہی کو دیکھنا ہو تو انسان کو امام حسینؑ اور ان کے فرزند ارجمند امام زین العابدین علیہما السلام کی ان دونوں دعاؤں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ امام حسینؑ کی دعا میں ذکر ہونے والے معارف الٰہی کی موضوعی تقسیم کچھ اس طرح سے کی جاسکتی ہے:

1) اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت و شناخت۔

2) گناہوں اور کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے پروردگار سے پیمان و تجدید عہد۔

3) انبیائے کرام کی معرفت اور اُن کے لائے ہوئے پیغام اور عقیدہ معاد پر اعتقاد کا اظہار۔

4) آفاق کائنات میں غور و فکر، اللہ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں پر حمد و شکر کہ جن کا آغاز انسان کی خلقت سے ہوتا ہے اور جو انسان کی عمر کے اختتام تک جاری رہتی ہیں۔

5) قضا و قدر الٰہی پر ایمان اور راضی رہنے کا اظہار۔

6) بارگاہ الٰہی میں گریہ و تضرع، اپنے گناہوں کا اعتراف اور توبہ و انابہ۔

7) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عفو و بخشش کی درخواست اور نیک اعمال و پسندیدہ صفات کی طرف رجوع کرنے کا عہد۔

8) اپنی حاجات کی درخواست کہ جو پیغمبر اور آل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور پھر عفو و بخشش اور نور ہدایت، رحمت و عافیت، وسعت رزق، مادی و معنوی نعمات اور اجر و ثواب کا تقاضا۔

خلاصہ یہ کہ ان دونوں ادعیہ میں بے شمار الٰہی معارف بیان ہوئے ہیں، لیکن اُن سب کو ایک مختصر مقالے میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اس مقالے میں عرفہ کے دن کی مناسبت سے فقط امام حسین علیہ السلام

کی دعا میں مذکور معرفت الٰہی کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہےاور ذیل میں چند نمایاں عناوین کے تحت امام عالی مقامؑ کی لسان مبارک سے نکلے ہوئے معرفت انگیز کلمات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ درحقیقت قرآنی مفاہیم، دینی اقدار اور آسمانی تعلیمات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ جس سے انسانیت کو الٰہی اقدار کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ اس دعا سے سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے اپنے معبود کے ساتھ عاشقانہ رازونیاز اور گہرے تعلق کا پتا چلتا ہے وہ تعلق کہ جس کا آغاز تو میدان عرفات سے ہوتا ہےاور عروج کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں ہوتا ہے۔ دعائے عرفہ کے بلند معارف کی عملی شکل عاشورا کی صبح سے لے کر عصر تک نمایاں سے نمایاں تر ہوتی جاتی ہے۔ اس دعا میں امام عالی المقامؑ وہ معنوی گوہر ہائے گرانبہا انسانیت کو عطا کرتے ہیں کہ جس سے روح انسان کو تازگی ملتی ہے۔

بہر حال یہ باعظمت دعا توحید کے باب میں بے نظیر ہے اور اس کے معارف و مضامین فقط سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی سے ہی صادر ہو سکتے ہیں اور کسی غیر معصوم شخص سے ان کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ امام حسین علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری روز عرفہ کو عصر کے وقت اپنے خاندان، اولاد اور شیعوں کے ہمراہ انتہائی خشوع وانکساری کے ساتھ اپنے خیمے سے نکلے اور عرفات میں ''جبل الرحمۃ'' کی دائیں جانب کھڑے ہوگئے۔ پھر امام علیہ السلام اپنا رُخ مبارک کعبہ کی طرف کرکے ایک حاجت مند مسکین کی طرح اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے کے سامنے لے جاکر اس طرح دعا کرتے ہیں اور بلند ترین الٰہی معارف کو دعا کی شکل میں بیان کرتے ہیں۔ یہاں اس طولانی دعا سے اقتباسات کی شکل میں معرفت کے چند موتی پیش کئے جاتے ہیں۔

حمد و ثنائے الٰہی

دعا کے اہم ترین آداب میں سے ہے کہ انسان جب بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی حاجات لے کر حاضر ہو تو سب سے پہلے اس ذات کی حمد و ثنا بجالائے جو ہر قسم کی حمد و ثنا کے لائق ہے اور کائنات کی ہر حمد

وستائش کی بازگشت اُسی کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام بھی اس دعا کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَیْسَ لِقَضائِهِ دافِعٌ، وَلاَ لِعَطائِهِ مانِعٌ، وَلاَ کَصُنْعِهِ صُنْعُ صانِعٍ وَهُوَ الْجَوادُ الْواسِعُ، فَطَرَ اَجْناسَ الْبَدائِعِ، وَ اَتْقَنَ بِحِکْمَتِهِ الصَّنائِعَ، لاَ تَخْفٰی عَلَیْهِ الطَّلائِعُ، وَلاَ تَضِیعُ عِنْدَهُ الْوَدائِعُ، جازِی کُلِّ صانِعٍ، وَ رایِشُ کُلِّ قانِعٍ وَ راحِمُ کُلِّ ضارِعٍ وَ مُنْزِلُ الْمَنافِعِ وَالْکِتابِ الْجامِعِ بِالنُّورِ السَّاطِعِ''

ترجمہ: ''حمد ہے خدا کے لیے جس کے فیصلے کو کوئی بدلنے والا نہیں، کوئی اس کی عطا روکنے والا نہیں اور کوئی اس جیسی صنعت والا نہیں اور وہ کشادگی کے ساتھ دینے والا ہے۔ اس نے قسم قسم کی مخلوق بنائی اور بنائی ہوئی چیزوں کو اپنی حکمت سے محکم کیا، دنیا میں آنے والی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، اس کے ہاں کوئی امانت ضائع نہیں ہوتی، وہ ہر کام پر جزا دینے والا ہے، وہ ہر قانع کو زیادہ دینے والا اور ہر نالاں پر رحم کرنے والا ہے وہ بھلائیاں نازل کرنے والا اور چمکتے نور کے ساتھ مکمل و کامل کتاب اتارنے والا ہے۔''

ظالموں کا انجام

امام علیہ السلام دعا کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضرت حق تعالیٰ کی صفات جمیل کو شمار کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''هو للدّعوات سامعٌ و للکربات دافعٌ و للدّرجات رافعٌ و للجبابرة قامعٌ''

ترجمہ: ''وہ لوگوں کی دعاؤں کا سننے والا لوگوں کے دکھ دور کرنے والا درجے بلند کرنے والا اور سرکشوں کی جڑ کاٹنے والا ہے۔''

حضرت امام حسین علیہ السلام ظالموں کو توحید اور سعادت کے راستے کا سب سے بڑا کانٹا قرار دیتے ہیں چونکہ جب تک ظلم و ستم کا رواج رہے گا اور بے عدالتی کا نظام حاکم رہے گا اس وقت تک لوگ اپنے معنوی کمال

کی طرف قدم نہیں بڑھا سکیں گے۔ اسی لئے پوری تاریخ انسانیت کو دیکھا جائے تو ظالموں کی سزا کا طریقہ سنن الٰہی میں ہمیشہ سے جاری وساری رہا ہے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

''فَلَمَّا نَسُواْ مَا ذُكِّرُواْ بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُواْ بِمَا أُوتُواْ أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ'' (15)

ترجمہ: ''پھر جب ان (ظالموں) نے اس نصیحت کو فراموش کر دیا جو ان سے کی گئی تھی تو ہم نے (انہیں اپنے انجام تک پہنچانے کے لیے) ان پر ہر چیز (کی فراوانی) کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں (کی لذتوں اور راحتوں) سے خوب خوش ہو (کر مدہوش ہو) گئے جو انہیں دی گئی تھیں تو ہم نے اچانک انہیں (عذاب میں) پکڑ لیا تو اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔''

پھر فرمایا: ''فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُواْ۔'' (16) پس ظلم کرنے والی قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔

اپنے خالق سے تجدید عہد

دعا کا ایک اور اہم ادب یہ بھی ہے کہ انسان اپنے مالک سے مانگنے سے پہلے اپنی وفاداری کی تجدید کرے اور مالک کے ساتھ باندھے ہوئے عہد کو دوڑائے تاکہ مالک کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا کے اپنی حاجات کو پیش کرے۔ لہٰذا امام علیہ السلام اپنے خالق سے تجدید عہد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَرْغَبُ اِلَيْكَ وَاَشْهَدُ بِالرُّبُوبِيَّةِ لَكَ مُقِرّاً بِاَنَّكَ رَبِّي، وَاَنَّ اِلَيْكَ مَرَدِّي، اِبْتَدَاْتَنِي بِنِعْمَتِكَ قَبْلَ اَنْ اَكُونَ شَيْئاً مَذْكُوراً، وَخَلَقْتَنِي مِنَ التُّرابِ ثُمَّ اَسْكَنْتَنِي الْاَصْلابَ آمِناً لِرَيْبِ الْمَنُونِ وَاخْتِلافِ الدُّهُورِ وَالسِّنِينَ فَلَمْ اَزَلْ ظاعِناً مِنْ صُلْبٍ اِلى رَحِمٍ فِي تَقادُمٍ مِنَ الْاَيّامِ الْماضِيَةِ وَالْقُرُونِ الْخالِيَةِ''

ترجمہ: ''اے اللہ! بے شک میں تیری طرف متوجہ ہوا ہوں تیرے پروردگار ہونے کی گواہی دیتا اور مانتا ہوں کہ تو میرا پالنے والا ہے اور تیری طرف لوٹا ہوں کہ تو نے مجھ سے اپنی نعمت کا آغاز کیا، اس سے پہلے کہ میں وجود میں آتا اور تو نے مجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر بڑوں کی پشتوں میں جگہ دی مجھے موت سے اور ماہ وسال میں آنے والی آفات سے امن دیا۔ پس میں پے در پے

ایک پشت سے ایک رحم میں آیا ان دنوں میں جو گزرے ہیں اور ان صدیوں میں جو بیت چکی ہیں۔''

خود شناسی اور مادی و معنوی نعمتوں کا اعتراف

خود شناسی اور مادی و معنوی نعمتوں کا اعتراف بندگی کے کمال کا مقدمہ ہے، جب تک خود شناسی نہ ہو اور انسان نعمتوں کا اعتراف نہ کرے، بندگی کے بلند ترین درجات تک پہنچنا مشکل ہے۔ امام حسین علیہ السلام اس دعا میں جگہ جگہ نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ درج ذیل جملات خود شناسی اور اظہار بندگی کے لئے بہترین جملات ہیں:

''فَابْتَدَعْتَ خَلْقِی مِنْ مَنِیٍّ یُمْنیٰ، وَاَسْکَنْتَنِی فِی ظُلُماتٍ ثَلاثٍ بَیْنَ لَحْمٍ وَدَمٍ وَجِلْدٍ لَمْ تُشْهِدْنِی خَلْقِی، وَلَمْ تَجْعَلْ اِلَیَّ شَیْئاً مِنْ اَمْرِی، ثُمَّ اَخْرَجْتَنِی لِلَّذِی سَبَقَ لِی مِنَ الْهُدیٰ اِلَی الدُّنْیا تامّاً سَوِیّاً، وَحَفِظْتَنِی فِی الْمَهْدِ طِفْلاً صَبِیّاً، وَرَزَقْتَنِی مِنَ الْغِذائِ لَبَناً مَرِیّاً، وَعَطَفْتَ عَلَیَّ قُلُوبَ الْحَواضِنِ، وَکَفَّلْتَنِی الاُمَّهاتِ لرَّواحِمَ وَکَلأْتَنِی مِنْ طَوارِقِ الْجانِّ وَسَلَّمْتَنِی مِنَ الزِّیادَةِ وَالنُّقْصانِ فَتَعالَیْتَ یَا رَحِیمُ یَا رَحْمنُ حَتَّی اِذَا اسْتَهْلَلْتُ ناطِقاً بِالْکَلامِ اَتْمَمْتَ عَلَیَّ سَوابِغَ الْاِنْعامِ وَرَبَّیْتَنِی زائِداً فِی کُلِّ عامٍ، حَتَّی اِذَا اکْتَمَلَتْ فِطْرَتِی وَاعْتَدَلَتْ مِرَّتِی وَجِبْتَ عَلَیَّ حُجَّتُکَ''

ترجمہ: ''پھر میرے پیدا کرنے کا آغاز ٹپکنے والے آب حیات سے کیا اور مجھ کو تین تاریکیوں میں ٹھرادیا یعنی گوشت خون اور جلد کے نیچے جہاں میں نے بھی اپنی خلقت کو نہ دیکھا اور تو نے میرے اس معاملے میں سے کچھ بھی مجھ پر نہ ڈالا پھر تو نے مجھے رحم مادر سے نکالا کہ مجھے ہدایت دے کر دنیا میں درست و سالم جسم کے ساتھ بھیجا اور گہوارے میں میری نگہبانی کی جب میں چھوٹا بچہ تھا تو نے میرے لیے تازہ دودھ کی غذا بہم پہنچائی اور دودھ پلانے والیوں کے دل میرے لیے نرم کر دیے، تو نے مہربان ماؤں کو میری پرورش کا ذمہ دار بنایا، جن و پری کے آسیب سے میری حفاظت فرمائی اور مجھے ہر قسم کی کمی بیشی سے بچائے رکھا، پس تو برتر ہے۔ اے مہربان اے عطاؤں والے یہاں تک کہ میں باتیں کرنے لگا اور یوں تو نے مجھے اپنی بہترین نعمتیں پوری

کردیں اور ہر سال میرے جسم کو بڑھایا حتی کہ میری جسمانی ترقی اپنے کمال تک پہنچ گئی۔ اور میری شخصیت میں توازن پیدا ہوگیا تو مجھ پر تیری حجت قائم ہو گئی۔''

نعماتِ اعضا وجوارح پر شکر

انسان اگر اپنی ذات میں موجود نعمات الٰہی ہی کا ادراک کرلے تو اُسے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی اور وہ اپنے اعضا وجوارح پر غور وفکر کرکے بہت جلد اپنے خالق کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ وہ اعضا وجوارح کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہم سے لے لیا جائے یا ناقص ہو جائے تو ہماری زندگی کا پورا نظام معطل ہو سکتا ہے۔ دعا کے ان جملات میں انہی اعضا وجوارح کی طرف توجہ دلاتے ہوئے امام علیہ السلام انسان کو خدا کی معرفت وشناخت کی طرف لے جارہے ہیں اور اُس کا شکر بجا لانے کی تلقین فرمارہے ہیں:

''وَاَنَا اَشْهَدُ يَا اِلٰهِي بِحَقِيقَةِ اِيمَانِي وَعَقْدِ عَزَمَاتِ يَقِينِي، وَخَالِصِ صَرِيحِ تَوْحِيدِي وَبَاطِنِ مَكْنُونِ ضَمِيرِي وَعَلَائِقِ مَجَارِي نُورِ بَصَرِي، وَاَسَارِيرِ صَفْحَةِ جَبِينِي وَخُرْقِ مَسَارِبِ۔۔۔ وَحَرَكَاتِ رُكُوعِي وَسُجُودِي اَنْ لَوْ حَاوَلْتُ وَاجْتَهَدْتُ مَدَى الْاَعْصَارِ وَالْاَحْقَابِ''

ترجمہ: ''میں گواہی دیتا ہوں اے اللہ! اپنے ایمان کی حقیقت اپنے اٹل ارادوں کی مضبوطی اپنی واضح وآشکار توحید اپنے باطن میں پوشیدہ ضمیر اپنی آنکھوں کے نور سے پیوستہ راستوں اپنی پیشانی کے نقوش کے رازوں اپنے سانس کی رگوں کے سوراخوں اپنی ناک کے نرم وملائم پردوں اپنے کانوں کی سننے والی جھلیوں اور اپنے چپکنے اور ٹھیک بند ہونے والے ہونٹوں، اپنی زبان کی حرکات سے نکلنے والے لفظوں، اپنے منہ کے اوپر نیچے کے حصوں کے ملنے اپنے دانتوں کے اُگنے کی جگہوں، اپنے کھانے پینے کے ذائقہ دار ہونے اپنے سر میں دماغ کی قرارگاہ، اپنی گردن میں غذا کی نالیوں اور ان ہڈیوں، جن سے سینہ کا گھیرا بنا ہے، اپنے گلے کے اندر لٹکی ہوئی شہ رگ، اپنے دل میں آویزاں پردے، اپنے جگر کے بڑھے ہوئے کناروں اپنی ایک دوسری سے ملی اور جھکی ہوئی پسلیوں اپنے جوڑوں کے حلقوں اپنے اعضاء کے بندھنوں اپنی انگلیوں کے پوروں اور اپنے گوشت خون اپنے بالوں اپنی جلد اپنے پٹھوں اور نلیوں اپنی ہڈیوں اپنے مغز اپنی رگوں اور اپنے

ہاتھ پاؤں اور بدن کی جو میری شیر خوارگی میں پیدا ہوئیں اور زمین پر پڑنے والے اپنے بوجھ اپنی نیند اپنی بیداری اپنے سکون اور اپنے رکوع و سجدے کی حرکات ان سب چیزوں پر اگر تیرا شکر ادا کرنا چاہوں اور تمام زمانوں اور صدیوں میں کوشاں رہوں اور عمر وفا کرے تو بھی میں تیری ان نعمتوں میں سے ایک نعمت کا شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔''

سچا دین اور سچا راستہ

دین اسلام کی حقانیت اور دین پر استدلال قائم کرنے والے تمام وسیلوں کی سچائی پر ایمان انسان کا وہ عظیم سرمایہ ہے کہ جس پر اُس کے دین وایمان کی پوری عمارت کھڑی ہے اور اس کی حقانیت اور سچائی میں ذرہ بھر بھی شک پیدا ہو جائے تو اس کے وجود میں ایمان کی پوری عمارت گر کر تباہ ہو سکتی ہے۔ اسی سچائی اور حقانیت پر ایمان کی اہمیت دعائے عرفہ کے ان جملات میں بیان ہوئی ہے:

''صَدَقَ کِتابُکَ اَللّٰھُمَّ وَاِنْباؤُکَ، وَبَلَّغَتْ اَ نْبِیاؤُکَ وَرُسُلُکَ مَا اَنْزَلْتَ عَلَیْھِمْ مِنْ وَحْیِکَ، وَشَرَعْتَ لَھُمْ وَبِھِمْ مِنْ دِینِکَ''

ترجمہ: ''تیری کتاب سچی ہے اے اللہ! اور تیری خبریں بھی سچی ہیں جو تیرے نبیوں اور رسولوں نے تبلیغ کی وہ سچ ہے جو تو نے ان پر وحی نازل کی وہ سچ ہے اور جو ان کے لئے اور ان کے ذریعے اپنے دین کو جاری کیا وہ سچ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی یکتائی کی گواہی

''غَیْرَاَنِّی یَااِلٰھِی اَشْھَدُ بِجُھْدِی وَجِدِّی وَمَبْلَغِ طَاقَتِی وَوُسْعِی، وَاَقُولُ مُؤْمِناً مُوقِناً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَمْ یَتَّخِذْ وَلَداً فَیَکُونَ مَوْرُوثاً، وَلَمْ یَکُنْ لَہُ شَرِیکٌ فِی مُلْکِہِ فَیُضَادَّہُ فِیمَا ابْتَدَعَ، وَلَا وَلِیٌّ مِنَ الذُّلِّ فَیُرْفِدَہُ فِیمَا صَنَعَ، فَسُبْحَانَہُ سُبْحَانَہُ لَوْ کَانَ فِیھِمَا آلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا وَتَفَطَّرَتَا سُبْحَانَ اللّٰہِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِی لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہُ کُفُواً اَحَدٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْداً یُعَادِلُ حَمْدَ مَلَائِکَتِہِ الْمُقَرَّبِینَ وَاَنْبِیَائِہِ الْمُرْسَلِینَ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی خِیَرَتِہِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّینَ وَآلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاھِرِینَ الْمُخْلَصِینَ وَسَلَّمَ''

ترجمہ: ''دیگر یہ کہ اے میرے اللہ! گواہی دیتا ہوں میں اپنی محنت و کوشش اور اپنی فرمانبرداری و ہمت کے ساتھ اور میں ایمان و یقین سے کہتا ہوں کہ حمد خدا کے لیے ہے جس نے اپنا کوئی بیٹا نہیں بنایا جو اس کا وارث ہو اور نہ ملک و حکومت میں کوئی اس کا شریک ہے جو پیدا کرنے میں اس کا ہمکار ہو اور نہ وہ کمزور ہے کہ اشیاء کے بنانے میں کوئی اس کی مدد کرے پس وہ پاک ہے پاک ہے اگر زمین وآسمان میں خدا کے سوا کوئی معبود ہوتا تو یہ ٹوٹ پھوٹ کر گرپڑتے پاک ہے خدا یگانہ یکتا بے نیاز جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے حمد ہے خدا کے لیے برابر اس حمد کے جو اس کے مقرب فرشتوں اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں نے کی ہے اور اس کے پسند کیے ہوئے محمدؐ نبیوں کے خاتم پر خدا کی رحمت ہو اور ان کی آلؑ پر جو نیک پاک خالص ہیں اور ان پر سلام ہو۔''

قضا وقدر پر راضی رہنے کی دعا

پھر امام علیہ السلام نے خداوند متعال سے حاجات طلب کرنا شروع کیں۔ جب کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی حالت میں آپ بارگاہ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوئے:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی اَخْشاكَ كَاَنِّی اَراكَ، وَاَسْعِدْنِی بِتَقْواكَ، وَلاَ تُشْقِنِی بِمَعْصِيَتِكَ وَخِرْلِی فِی قَضائِكَ، وَبارِكْ لِی فِی قَدَرِكَ، حَتّٰی لاَ اُحِبَّ تَعْجِيلَ مَا اَخَّرْتَ وَلاَ تَاْخِيرَ مَا عَجَّلْتَ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ غِنایَ فِی نَفْسِی، وَالْيَقِينَ فِی قَلْبِی، وَالْاِخْلاصَ فِی عَمَلِی وَالنُّورَ فِی بَصَرِی، وَالْبَصِيرَةَ فِی دِينِی، وَمَتِّعْنِی بِجَوارِحِی، وَاجْعَلْ سَمْعِی وَبَصَرِی الْوارِثَيْنِ مِنِّی، وَانْصُرْنِی عَلَی مَنْ ظَلَمَنِی، وَاَرِنِی فِيهِ ثارِی وَمَآرِبِی، وَاَقِرَّ بِذٰلِكَ عَيْنِی''

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے ایسا ڈرنے والا بنا دے گویا تجھے دیکھ رہا ہوں، مجھے پرہیزگاری کی سعادت عطا کر اور نافرمانی کے ساتھ بد بخت نہ بنا۔ اپنی قضا میں مجھے نیک بنا دے اور اپنی تقدیر میں مجھے برکت عطا فرما یہاں تک کہ جس امر میں تو تاخیر کرے اس میں جلدی نہ چاہوں اور جس میں تو جلدی چاہے اس میں تاخیر نہ چاہوں۔

اے اللہ ! پیدا کردے میرے نفس میں بے نیازی میرے دل میں یقین میرے عمل میں خلوص میری نگاہ میں نور میرے دین میں سمجھ اور میرے اعضا میں فائدہ پیدا کردے اور میرے کانوں وآنکھوں کو میرا مطیع بنادے اور جس نے مجھ پر ظلم کیا اس کے مقابل میری مدد کر مجھے اس سے بدلہ لینے والا بنا یہ آرزو پوری کر اور اس سے میری آنکھیں ٹھنڈی فرما۔"

مقام بندگی پر فخر کا اظہار

بلا شک وشبہ اگر انسان اپنے خالق کے مقابلے میں اپنے مقام اور حیثیت کا ادراک حاصل کرلے تو اور اپنی بندگی کا اعتراف کرے تو وہ کبھی بھی حدود الٰہی سے تجاوز اور دوسروں کے حقوق کو پامال نہیں کرے گا۔ رب العالمین کے مقابلے میں اپنے مقام عبودیت کی معرفت اور اُس کی حدود کی پابندی، بندے کو انسانیت کے بلند ترین مقامات پر فائز کردیتی ہے اور پھر وہ اپنے اس مقام پر فخر کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"اللّٰهم اِنِّی اَرغَبُ اِلَیكَ وَاَشهَدُ بالرُّبُوبِیَّةِ لَكَ مُقِرّاً بِاَنَّكَ رَبِّی وَاَلَیكَ مَرَدِّی، ابْتَدأْتَنِی بِنَعْمَتَكَ قَبْلَ اَنْ اَكُونَ شَیْئاً مَذْكُوراً"

ترجمہ: "اے اللہ! بے شک میں تیری طرف متوجہ ہوا ہوں، تیرے پروردگار ہونے کی گواہی دیتاہوں، اور (اے اللہ) مانتاہوں کہ تو میرا پالنے والا ہے اور میری بازگشت تیری طرف ہوگی، (اے اللہ تو اتنا مہربان ہے) اس سے پہلے کہ میں کوئی قابل ذکر چیز ہوتا، تو نے مجھے نعمت وجود سے بہرہ مند کیا۔"

حضرت امام علی علیہ السلام بھی مقام بندگی کی وضاحت کرتے ہوئے اسے انسان کے لئے ایک قابل فخر اور بلند ترین مرتبہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"إِلَهِی كَفَى بِی عِزّاً أَنْ أَكُونَ لَكَ عَبْداً وَ كَفَى بِی فَخْراً أَنْ تَكُونَ لِی رَبّاً"

ترجمہ: "اے اللہ! میرے لئے یہ عزت اور عظمت ہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے لئے یہ افتخار ہی کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔" (17)

عصر توحید اور دینی ماحول پر شکر

حضرت امام حسین علیہ السلام عصر توحید جیسی معنوی فضا میں اور الٰہی حکومت کے زیر سایہ زندگی گزارنے کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انسان جس ماحول اور معاشرے میں اپنی پیدائش کے ساتھ ہی قدم رکھتا ہے، وہ انسان کی شخصیت اور تربیت پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے تربیتی عوامل میں سب سے اہم عامل شمار ہوتا ہے۔ جو شخص اگر کسی اچھے ماحول میں پیدا ہوتا ہے اور پرورش پاتا ہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ پھر اپنے والدین اور اُن سرپرستوں کا بھی شکریہ ادا کرے کہ جنہوں نے اُسے اس قسم کا پاکیزہ ماحول فراہم کیا ہے۔ کیونکہ اگر انسان کو اپنی صحیح اور سالم شخصیت بنانے کے لئے ایسا مناسب ماحول نہ ملتا تو معلوم نہیں اُس کی تقدیر کیا ہوتی اور اس کا انجام کیا ہوتا۔ اسی لئے حق شناس انسان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا کرتا ہے اور اپنے والدین اور سرپرستوں کا بھی ممنون احسان رہتا ہے کہ جن کی توجہ کی وجہ سے وہ معنویت و معرفت بھرے ماحول میں پرورش پارہا ہے اور سانس لے رہا ہے۔ امام علیہ السلام اس واقعیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لم تخرجنی لرأفتك بی ولطفك لی و احسانك الیّ فی دولة ائمة الکفر الّذین نقضوا عهدك و کذّبوا رسلك لکنّك اخرجتنی للّذی سبق لی من الهدی''

ترجمہ: ''(اے پروردگارا!) تو نے بوجہ اپنی محبت و مہربانی کے مجھ پر احسان کیا اور مجھے کافر بادشاہوں کے دور میں پیدا نہیں کیا کہ جنہوں نے تیرے فرمان کو توڑا اور تیرے رسولوں کو جھٹلایا لیکن تو نے مجھ کو اس زمانہ معرفت (اور عصر نبوت) میں پیدا کیا جس میں تھوڑے عرصے میں مجھے ہدایت میسر آ گئی۔''

بے شمار نعمتیں

بارگاہ الٰہی میں شکر گزاری، اللہ کے مخلص بندوں اور اولیائے الٰہی کی خصوصیات میں سے ہے۔ لہٰذا امام عالی مقامؑ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کی قدردانی کرتے اور شکر بجالاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فایّ نعمك یا الھی احصی عدداً و ذکراً ام ایّ عطایاك اقوم بھا شکراً و ھی یا ربّ اکثر من ان یحصیھا العادّون او یبلغ علماً بھا الحافظون''

ترجمہ: ''اے میرے پروردگار! تیری کس نعمت کی گنتی کروں اور اسے یاد کروں یا تیری کون کونسی عطاؤں کا شکر بجا لاؤں اور اے میرے پروردگار یہ تو اتنی زیادہ ہیں کہ شمار کرنے والے انہیں شمار نہیں کر سکتے یا یاد کرنے والے ان کو یاد نہیں رکھ سکتے۔''

امام علیہ السلام ایک دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے سلسلے میں بندوں کی ناتوانی اور کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' أَنْ لَوْ حَاوَلْتُ وَ اجْتَهَدْتُ مَدَى الْأَعْصَارِ وَ الْأَحْقَابِ لَوْ عُمِّرْتُهَا أَنْ أُؤَدِّيَ شُكْرَ وَاحِدَةٍ مِنْ أَنْعُمِكَ مَا اسْتَطَعْتُ ذَلِكَ إِلاَّ بِمَنِّكَ الْمُوجَبِ عَلَيَّ بِهِ شُكْرُكَ أَبَداً جَدِيداً وَ ثَنَاءً طَارِفاً عَتِيداً أَجَلْ وَ لَوْ حَرَصْتُ أَنَا وَ الْعَادُّونَ مِنْ أَنَامِكَ أَنْ نُحْصِيَ مَدَى إِنْعَامِكَ سَالِفِهِ (سَالِفَةً) وَ آنِفِهِ (آنِفَةً) مَا حَصَرْنَاهُ عَدَداً وَ لاَ أَحْصَيْنَاهُ أَمَداً هَيْهَاتَ أَنَّى ذَلِكَ وَ أَنْتَ الْمُخْبِرُ فِي كِتَابِكَ النَّاطِقِ وَ النَّبَإِ الصَّادِقِ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لاَ تُحْصُوهَا''

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تمام زمانوں اور صدیوں میں کوشاں رہوں اور عمر وفا کرے تو بھی میں تیری ان نعمتوں میں سے ایک نعمت کا شکر ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، مگر تیرے احسان کے ذریعے جس سے مجھ پر تیرا ایک اور شکر واجب ہو جاتا ہے اور تیری لگاتار ثنا واجب ہو جاتی ہے اور اگر میں ایسا کرنا چاہوں اور تیری مخلوق میں سے شمار کرنے والے بھی شمار کرنا چاہیں کہ ہم تیری گزشتہ و آیندہ نعمتیں شمار کریں تو ہم نہ انکی تعداد کا اور نہ ان کی مدت کا حساب کر سکیں گے یہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ تو نے اپنی خبر دینے والی گویا کتاب میں سچی خبر دے کر بتایا ہے کہ اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو گنو تو ان کا حساب نہ لگا سکو گے۔'' (18)

زندگی ساز تقاضے

امام حسین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب نعمتوں کا تذکرہ کرنے اور ان نعمتوں کو شمار کرنے کے سلسلے میں انسانوں کی ناتوانی اور عاجزی کا اعتراف کرنے بعد بارگاہ الٰہی میں اپنی جائز خواہشات و تقاضوں کا اظہار کرتے ہیں اور ہمیں اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے اور مانگنے کے آداب سکھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں خشوع و خضوع، تقویٰ واطاعت کی بنیاد پر سعادت ونیک بختی، نیک ومبارک تقدیر و سرنوشت، اللہ تعالیٰ کی رضا اور مرضی، نفس کی بے نیازی، قلبی یقین، عمل میں اخلاص، دین میں بصیرت، اعضا وجوارح سے بہرہ مندی، ظالموں کے مقابلے میں نصرت ومدد، دشمنوں پر فتح ونصرت، دعاؤں کی قبولیت، غم واندوہ سے نجات، عیبوں کی پردہ پوشی، گناہوں کی بخشش، وسواس پیدا کرنے والوں اور شیاطین کی ذلت وخواری، دوسروں کے حقوق سے بری ذمہ ہونے کی توفیق اور دنیوی اور اُخروی درجات کی بلندی حضرت امام حسین علیہ السلام کی وہ دعائیں ہیں کہ جو آپؑ نے اس دعا میں بارگاہ الٰہی سے طلب فرمائی ہیں۔

امام علیہ السلام دعائے عرفہ کے ان جملوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے طلب کرنے کا ادب سکھانے کے علاوہ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ بارگاہ الٰہی سے طلب کریں اور اُس خواہش کو اپنی زبان پر لائیں کیونکہ یہ دعا کی شرائط اور آداب میں سے ہے اور دعا کی قبولیت کا باعث بنتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :

''انّ اللّٰہ تبارك و تعالیٰ یعلم ما یرید العبد اذا دعاہ، ولکنّہ یحب ان تبث الیہ الحوائج فاذا دعوت فسمّ حاجتك '' (19)

ترجمہ : ''تم جو کچھ دل میں رکھتے ہو اُس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، لیکن اللہ کو پسند ہے کہ تم جو چاہتے ہو اُسے زبان پر لاؤ اور اپنی ضرورتوں کو اُس سے بیان کرو۔ پس جب بھی دعا کرو تو اپنی حاجات اور ضروریات کو ایک ایک کرکے بیان کرو۔''

معرفت وعرفان کا عروج

دعائے عرفہ میں امام عالی مقامؑ اس قدر عاشقانہ اور عارفانہ انداز میں اپنے ربّ کو پکارتے ہیں کہ جس کو سن کر حقیقت کا ہر متلاشی شوق اور وجد میں آجاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف جذب کی کیفیت پیدا

ہو جاتی ہے۔ امام علیہ السلام اس دعا میں انسانی ادبیات کے خوبصورت ترین جملات استعمال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بلند ترین عرفانی رابطہ برقرار کرتے ہیں:

'' أَيَكُونُ لِغَيْرِكَ مِنَ الظُّهُورِ مَا لَيْسَ لَكَ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُظْهِرَ لَكَ مَتَى غِبْتَ حَتَّى تَحْتَاجَ إِلَى دَلِيلٍ يَدُلُّ عَلَيْكَ وَ مَتَى بَعُدْتَ حَتَّى تَكُونَ الْآثَارُ هِيَ الَّتِي تُوصِلُ إِلَيْكَ عَمِيَتْ عَيْنٌ لَا تَرَاكَ عَلَيْهَا رَقِيباً وَ خَسِرَتْ صَفْقَةُ عَبْدٍ لَمْ تَجْعَلْ لَهُ مِنْ حُبِّكَ نَصِيباً ''

ترجمہ: ''اے میرے معبود! آیا تیرے غیر کیلئے ایسا ظہور ہے جو تیرے لئے نہیں ہے یہاں تک کہ وہ تجھے ظاہر کرنے والا بن جائے تو کب غائب تھا کہ کسی ایسے نشان کی حاجت ہو جو تیری دلیل ٹھہرے اور تو کب دور تھا کہ آثار اور نشان تجھ تک پہنچانے کا ذریعہ و وسیلہ بنیں۔ اندھی ہے وہ آنکھ جو تجھ کو اپنا نگہبان نہیں پاتی اس بندے کا سودہ خسارے والا ہے جس کو تو نے اپنی محبت کا حصہ نہیں دیا۔''

امام حسین علیہ السلام دعا کے ان جملات میں اللہ کی ذات کو ہی اُس کی معرفت اور اُس تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیتے ہوئے خدا کے متلاشی اور سعادت طلب فلاسفہ کو '' برہان صدیقین '' کی تعلیم دیتے ہیں۔ (1) اسی

1۔ واجب الوجود کو ثابت کرنے والے براہین میں سے ایک برہان، برہان صدیقین ہے۔ اسلامی فلسفہ میں بہت سے بیانات کے ساتھ برہان صدیقین کی وضاحت کی گئی ہے۔ سب سے پہلے بو علی سینا نے اپنی کتاب ''اشارات'' میں اس برہان کی وضاحت کی ہے۔ لیکن اس برہان کی سب سے بہترین وضاحت، فلسفہ متعالیہ کے بانی ملا صدرا شیرازیؒ نے کی ہے۔ چونکہ ملا صدرا شیرازی کے فلسفے کی بنیاد ''اصالت وجود'' پر ہے، اس اصول کے تحت اس برہان کی وضاحت بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اس کے مطابق اصالت الوجود کی بنیاد پر جب وجود اصیل اور غیر سے بے نیاز ہے تو ہمارا مطلوب حاصل ہے اور واجب الوجود ثابت ہے۔ لیکن اگر وجود بالذات مستغنی نہ ہو اور کسی اور وجود پر اس کا دار ومدار ہو تو پھر وہ معلول ذاتاً ایک اور غنی بالذات وجود کا محتاج ہو گا۔ چونکہ کسی ایسی چیز کا علت کے وجود میں آنا محال ہے کہ جو اپنے وجود میں کسی اور چیز کی محتاج ہو اور خود بعینہٖ تعلق اور ربط کی حیثیت رکھتی ہو۔ برہان صدیقین، واجب تعالیٰ کو ثابت کرنے والے براہین میں سب سے زیادہ واضح اور روشن برہان ہے۔ کیونکہ اس برہان، سے جزم ویقین حاصل ہو جاتا ہے۔ نیز یہ برہان معرفت خدا کا سب سے بہترین اور آسان راستہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے حقیقت وجود کی بنیاد پر واجب الوجود تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، اس برہان میں دور و تسلسل کے ابطال کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

کو سادہ زبان میں ''خدا سے خدا تک پہنچنا'' کہتے ہیں۔ اسی مطلب کو امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی دعائے ابو حمزہ ثمالی میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :

'' وانّك لاتحتجب عن خلقك الّا ان تحجبهم الاعمال دونك '' (20)

ترجمہ : ''اے اللہ ! تو اپنی مخلوق سے چھپا ہوا نہیں ہے فقط اُن کے اعمال اور آرزوؤں نے اُنہیں تجھ سے جدا کیا ہوا ہے۔

عبد اور معبود کا تعلق

اس دعا میں امام حسین علیہ السلام ایک مقام پر انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کو ان نورانی کلمات کے ساتھ بیان کرتے ہیں :

''يَا مَولایَ أَنْتَ الَّذِی مَنَنْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَنْعَمْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَحْسَنْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَجْمَلْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَفْضَلْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَكْمَلْتَ، أَنْتَ الَّذِی رَزَقْتَ، أَنْتَ الَّذِی وَفَّقْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَعْطَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَغْنَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَقْنَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی آوَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی كَفَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی هَدَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی عَصَمْتَ، أَنْتَ الَّذِی سَتَرْتَ، أَنْتَ الَّذِی غَفَرْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَقَلْتَ، أَنْتَ الَّذِی مَكَّنْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَعْزَزْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَعَنْتَ، أَنْتَ الَّذِی عَضَدْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَيَّدْتَ، أَنْتَ الَّذِی نَصَرْتَ، أَنْتَ الَّذِی شَفَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی عَافَيْتَ، أَنْتَ الَّذِی أَكْرَمْتَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ. فَلَكَ الْحَمْدُ دَائِما وَلَكَ الشُّكْرُ وَاصِبا أَبَدا''

ترجمہ : ''اے میرے مالک ! تو وہ ہے جس نے احسان کیا تو وہ ہے جس نے نعمت دی تو وہ ہے جس نے بہتری کی تو وہ ہے جس نے جمال دیا تو وہ ہے جس نے بڑائی دی تو وہ ہے، جس نے کمال عطا کیا، تو وہ ہے جس نے روزی دی، تو وہ ہے جس نے توفیق دی، تو وہ ہے جس نے عطا کیا، تو وہ ہے جس نے مال دیا، تو وہ ہے جس نے نگہداری کی، تو وہ ہے جس نے پناہ دی، تو وہ ہے جس نے کام بنایا، تو وہ ہے جس نے ہدایت کی، تو وہ ہے جس نے گناہ سے بچایا، تو وہ ہے جس نے پرورش کی، تو وہ ہے جس نے معاف کیا، تو وہ ہے جس نے بخش دیا، تو وہ ہے جس نے قدرت دی، تو وہ ہے جس نے عزت بخشی،

تو وہ ہے جس نے آرام دیا، تو وہ ہے جس نے سہارا دیا، تو وہ ہے جس نے حمایت کی، تو وہ ہے جس نے مدد کی، تو وہ ہے جس نے شفا دی، تو وہ ہے جس نے بزرگی دی تو بڑا برکت والا اور برتر ہے ہمیشہ پس حمد تیرے ہی لیے ہے اور شکر لگاتار ہمیشہ ہمیشہ تیرے ہی لیے ہے۔''

بندے کی صفات

اللہ تعالیٰ کی صفات کی عظمت کا اندازہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب انسان اپنی خصوصیات و صفات ناپائیداری و کمزوری کو بھی دیکھے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات ذکر کرنے کے بعد امام علیہ السلام انسان کی نادانی، خطا کاری، فراموشی و نسیان، وعدہ خلافی، بے اعتمادی جیسی کمزور اور ناپائیدار صفات کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ثُمَّ أَنَا يَا إِلَهِي الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوبِي فَاغْفِرْهَا لِي. أَنَا الَّذِي أَسَأْتُ، أَنَا الَّذِي أَخْطَأْتُ، أَنَا الَّذِي ...الخ''

ترجمہ: ''پھر میں ہوں اے میرے معبود اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والا، پس مجھے ان سے معافی دے، میں وہ ہوں جس نے برائی کی، میں وہ ہوں جس نے خطا کی، میں وہ ہوں جس نے برا ارادہ کیا، میں وہ ہوں جس نے نادانی کی، میں وہ ہوں جس سے بھول ہوئی، میں وہ ہوں جو چوک گیا، میں نے خود پر اعتماد کیا، میں نے دانستہ گناہ کیا، میں وہ ہوں جس نے وعدہ کیا، میں وہ ہوں جس نے وعدہ خلافی کی، میں وہ ہوں جس نے عہد توڑا، میں وہ ہوں جو اقرار کرتا اور میں وہ ہوں جو تیری نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں جو مجھے ملی ہیں اور میرے پاس ہیں مجھ پر گناہوں کا بڑا بوجھ ہے پس مجھے معاف کر دے۔''

''اِلٰهِي وَسَيِّدِي اِلٰهِي مَرَّتَنِي فَعَصَيْتُكَ، وَنَهَيْتَنِي فَارْتَكَبْتُ نَهْيَكَ، فَاَصْبَحْتُ لاَ ذا بَرائَةٍ لِي فَاَعْتَذِرُ، وَلاَ ذا قُوَّةٍ فَانْتَصِرُ، فَبِاَيِّ شَيْءٍ اَسْتَقْبِلُكَ يَا مَوْلايَ بِسَمْعِي اَمْ بِبَصَرِي اَمْ بِلِسانِي اَمْ بِيَدِي اَمْ بِرِجْلِي اَلَيْسَ كُلُّها نِعَمَكَ عِنْدِي وَبِكُلِّها عَصَيْتُكَ يَا مَوْلايَ فَلَكَ الْحُجَّةُ''

ترجمہ: ''اے میرے معبود و سردار اے میرے معبود تو نے حکم دیا تو میں نے نافرمانی کی، جس سے تو نے مجھے روکا میں وہ کام کر گزرا، پس حال یہ ہے کہ نہ گناہ سے بری ہوں کہ عذر کروں نہ یہ طاقت ہے کہ کامیاب ہو جاؤں پس کیا چیز لے کر تیرے سامنے آؤں؟ اے میرے مالک!

آیا اپنے کان یا اپنی آنکھ یا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے پاؤں کے ساتھ، کیا یہ سب میرے پاس تیری نعمتیں نہیں ہیں ؟اور ان سب کے ساتھ میں نے تیری نافرمانی کی، اے میرے مولا پس تیرے پاس میرے خلاف حجت اور دلیل ہے۔

بارگاہ الٰہی میں التجا

مضطرب وپریشان حال انسان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پریشانی اور مصیبت کے وقت بے اختیار ایسی ذات کو پکارتا ہے جو ہر قسم کی پریشانی اور مشکل سے نجات دلانے کی صلاحیت رکھتی ہے، یہ انسان کی فطرت ہے۔ امام علیہ السلام دعا کے اس حصے میں بارگاہ الٰہی میں التجا اور التماس کرکے انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حقیقی مشکل کشا ہے جس کی طرف ہر پریشانی اور مشکل کے وقت رجوع کرنا عین فطرت ہے:

''اللَّهُمَّ اكْشِفْ كُرْبَتِي وَاسْتُرْعَوْرَتِي وَاغْفِرْلِي خَطِيئَتِي وَاخْسَأْ شَيْطَانِي وَفُكَّ رِهَانِي وَاجْعَلْ لِي يَا إِلَهِي الدَّرَجَةَ الْعُلْيَا فِي الْآخِرَةِ وَالْأُولَى''

ترجمہ: ''اے اللہ! میری سختی دور کردے میری پردہ پوشی فرما میری خطائیں معاف کردے میرے شیطان کو ذلیل کر اور میری ذمہ داری پوری کرادے۔ میرے لیے، اے میرے خدا دنیا اور آخرت میں بلند سے بلند تر مرتبے قرار دے۔''

خلاصہ یہ کہ امام حسین علیہ السلام کی یہ دعا معارف الٰہیہ کا عظیم گنجینہ اور معنویت وروحانیت کا وہ عظیم الشان دریا ہے جس کے مضامین عالیہ کا احاطہ نہ تو اس مختصر تحریر میں ہو سکتا ہے اور نہ ہم جیسے عاصی و ناقص انسان اس بحر معارف میں غوطہ زن ہونے کی طاقت رکھتے ہیں۔اس مختصر مقالے میں فقط بعض اقتباسات کے ذریعے دعائے عرفہ کے عظیم معارف کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

*****

حوالہ جات

1 ۔ راغب اصفہانی، مفردات، ص ۵۶۰

2 ۔ قریشی، التحقیق لکلمات القرآن الکریم، ج ۸، ص ۱۲۰

3 ۔ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ۲، ص ۲۱۱، حدیث : ۲۱۸۲، مفاتیح الجنان، ص ۲۷۶، تہران ۱۳۷۱ ش

4 ۔ کلینی، الکافی ج : ۴ ص : ۵۴۱ و ۱۴۶

5 ۔ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۲۱۱

6 ۔ قمی، شیخ عباس، مفاتیح الجنان، ص ۱۰۱، مصباح المتہجد، ص 850

7 ۔ قطب راوندی، الدعوات راوندی، ص 18

8 ۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، 90، ص 294

9 ۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج 94، ص 123

10 ۔ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۲۱۱، حدیث ۲۱۸۳، جامعہ مدرسین، قم

11 ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مفاتیح الجنان اور دیگر کتب ادعیہ

12 ۔ دائرۃ المعارف تشیع، ج ۷، ص ۵۲۹

13 ۔ جوادی آملی، عبداللہ، صہبای حج، ص 428

14 ۔ جبل الرحمہ، سرزمین عرفات میں اپنے ارد گرد موجود پہاڑوں سے الگ ایک پہاڑ ہے۔ اسی پہاڑ کی ایک چٹان پر کھڑے ہو کر رسول اکرم ﷺ نے اپنا مشہور خطبہ عرفات پڑھا تھا، اسی طرح سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے بھی اسی پہاڑ کے دامن میں عرفہ کے دن مشہور دعائے عرفہ پڑھی تھی۔

15 ۔ سورہ انعام۔ آیت ۴۴

16 ۔ ایضاً، آیت ۴۵

17 ۔ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۴۰۲ مناجات امام علیؑ

18 ۔ سورۂ ابراہیم آیت ۳۴

19 ۔ اقبال الاعمال، ج 2، ص 74، مستدرک الوسائل، ج 10، ص 23؛ مفاتیح الجنان، اعمال روز عرفہ

20 ۔ شیخ طوسی، مصباح المتہجد، ص ۵۸۳، مؤسسہ فقہ الشیعہ لبنان، ۱۴۱۱ ھ

شہر کوفہ میں
عبیداللہ ابن زیاد کی سیاسی چالیں

ڈاکٹر عباس حیدر زیدی*
abbaspsc@yahoo.com

کلیدی کلمات :زیاد بن ابیہ،نعمان بن بشیر، مسلم بن عقیل،اشراف کوفہ، عمر بن سعد، مختار ثقفی

خلاصہ

جب حضرت امام حسینؑ مکہ میں قیام پذیر تھے تو اہلِ کوفہ نے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔امام نے اتمام حجت کے لئے حضرت مسلم بن عقیل کو اپنا سفیر بنا کر کوفہ روانہ کیا۔ ادھر جب یزید کے حامیوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ کوفہ میں حضرت مسلم کی حکومت قائم ہو جائے گی تو انہوں نے یزید کو کوفہ کے حالات سے مطلع کیا اور لکھا کہ اگر شہر کوفہ کو اپنے ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تو کسی ایسے شخص کو کوفہ کا گورنر بناؤ جو ان پر سختی کر سکے۔ اس پر یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر بنا دیا۔ ابن زیاد نے کوفہ میں جو سیاسی چالیں چلیں، ان میں سے چند اہم چالیں یہ تھیں:
شہر کوفہ میں مکاری سے داخل ہو کر شہر کا کنٹرول سنبھالنا، اہل کوفہ کو بڑی بڑی دھمکیاں دینا، ایک بڑے یزیدی لشکر کی آمد جیسی افواہیں پھیلانا، لوگوں کو لالچ دینا، مختلف قبائل کے سردار نصب و عزل کرنا، جاسوسی، مخالفین کا قتل و غارت، قید و بند میں ڈالنا، فرار ہونے والوں کا تعاقب، کربلا کی جانب فوج روانہ کرنا اور حاکمِ وقت یزید کی مکمل اطاعت گزار ہونا۔ اس مقالہ میں ابن زیاد کی ان سیاسی چالوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

*۔پی۔ایچ۔ڈی، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی

مقدمہ

عبیداللہ، زیاد بن سمیہ کا بیٹا تھا۔ زیاد بن سمیہ کو زیاد بن ابیہ بھی کہا جاتا ہے۔ زیاد بن ابیہ کے حالات زندگی سب پر آشکار ہیں۔ یہ وہ شخص ہے کہ جس کے باپ کا علم نہیں ہے۔ یہ شخص زمانے میں گمنام تھا لیکن امیر شام نے اپنا آلہ کار بنانے کے لئے زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان کی طرف منسوب کیا اور اسے سماج میں اپنے بھائی کے طور پر متعارف کرایا۔ زیاد کو اپنا بھائی قرار دینے کے بعد امیر شام نے پہلے اسے کوفہ کا پھر بصرہ کا بھی گورنر قرار دے دیا۔ زیاد چونکہ حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں ان کی فوج میں شامل تھا لہٰذا وہ کوفہ کے ان تمام لوگوں سے واقف تھا جو حضرت علی علیہ السلام کے سچے اور مخلص ساتھی تھے۔

امیر شام کا زیاد کو کوفہ کا گورنر بنانے کا اہم ترین مقصد شیعوں کی کڑی نگرانی کرنا اور ان میں سے بعض انقلابیوں کو راستے سے ہٹانا تھا۔ زیاد نے شہر کوفہ میں شیعیانِ علی پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ اس نے حضرت علی علیہ السلام کے چاہنے والوں میں حجر بن عدی کندی، عبداللہ بن یحییٰ حضرمی اور عمرو بن حمق خزاعی کو ان کے ساتھیوں سمیت گرفتار کیا اور بعد میں قتل کرادیا۔ ان افراد کے علاوہ زیاد نے جن لوگوں کو قتل کیا ان میں رشید ہجری، جویریہ بن مسہر عبدی اور اوفی بن حصین بھی شامل ہیں۔ زیاد یزید کی جانشینی کا بھی سخت مخالف تھا اور امیر شام کے بعد خود تختِ حکومت پر بیٹھے کا خواہاں تھا چنانچہ اس نے امیر شام کو خط لکھا کہ اپنے بعد یزید کی جانشینی کے اعلان میں جلدی نہ کرے، جب معاویہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے خود اپنے گورنر زیاد بن ابیہ کو زہر سے قتل کرادیا۔

عبیداللہ اپنے باپ زیاد کے افعال و کردار کا مکمل نمونہ تھا۔ یہ دونوں باپ بیٹے شہر کوفہ میں اپنی جنایت کاریوں کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی روزِ عاشور یہی ارشاد فرمایا تھا کہ

> ''پست باپ کے پست بیٹے نے مجھے کسی ایک بات کے انتخاب میں مجبور کردیا ہے یا تو تلوار یا ذلت۔ لیکن ممکن ہی نہیں کہ ہم ذلت قبول کریں۔''

حضرت امام حسینؑ جب مکہ میں قیام پذیر تھے تو اس کی اطلاع اہلِ کوفہ کو ہوئی، چنانچہ انہوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھے کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ

اہل کوفہ اسی طرح سے بے وفائی کریں گے جیساکہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کی تھی۔

چنانچہ اتمام حجت کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کو اپنا معتمد اور سفیر بنا کر کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کوفہ میں جناب مختار ثقفی کے مکان میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے بیعت لینے کاآغاز کیا۔ اس وقت یزید کی جانب سے کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا۔ نعمان بن بشیر فطرتاً کمزور انسان تھا، لہٰذا حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کے مقابلے میں اس نے ناتوانی کا اظہار کیا۔

جب یزید کے حمایتیوں کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیلؑ کی حکومت قائم ہو جائے گی تو انہوں نے خطوط لکھ کر یزید کو کوفہ کے حالات سے مطلع کیااور لکھاکہ اگر شہر کوفہ کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تو کسی ایسے شخص کو بھیجو جو اہل کوفہ پر سختی کر سکے اور کوفہ کو سختی سے قبضہ میں رکھ سکے۔ یزید نے معاویہ کے خاص غلام سرجون کو بلایا اور اس سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے معاویہ کا ایک خط یزید کو دیا کہ جس میں تحریر تھا کہ اگر کوفہ ہاتھ سے نکلا جارہا ہو تو وہاں پر عبید اللہ ابن زیاد کو مسلط کر دینا۔ چنانچہ ابن زیاد جو کہ معاویہ کے زمانے میں بصرہ کا گورنر تھا، اسے یزید نے خط لکھ کر بصرہ شہر کے ساتھ ساتھ کوفہ کا بھی گورنر قرار دے دیا۔

عبید اللہ ابن زیاد جب شہر کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے چہرے پر نقاب ڈالی ہوئی تھی۔ اہل کوفہ کو چونکہ اس بات کی اطلاع تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کوفہ میں داخل ہونے والے ہیں چنانچہ لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو تصور کرتے ہوئے اس کا استقبال شاندار طریقے سے کیا۔ یہ اس کی عیاری تھی کہ اس نے اپنے آپ کو لوگوں پر ظاہر نہیں کیا۔ جب وہ دارالامارہ کے دروازے تک پہنچا تو اسے وہاں داخل ہونے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ نعمان بن بشیر پہلے یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کوفہ میں داخل ہو چکے ہیں چنانچہ دارالامارہ کے کوٹھے پر چڑھ کر اس نے ابن زیاد کو حضرت امام حسین علیہ السلام سمجھ کر قسمیں دیں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں، جس پر ابن زیاد کے ساتھی نے نعمان بن بشیر کو آواز دے کر کہا کہ دروازہ کھولو یہ عبید اللہ ابن زیاد ہے۔

ابن زیاد نے شہر کوفہ پر مسلط ہونے کے بعد جو سیاسی روشیں اختیار کیں، ان میں اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ دھمکیاں دینا　　۲۔ افواہیں پھیلانا　　۳۔ لالچ دینا
۴۔ قبائل کے سرداروں کو منصوب اور معزول کرنا　　۵۔ جاسوسی کرانا
۶۔ کڑی نگرانی　　۷۔ قتل و غارت گری　　۸۔ قید کرنا
۹۔ فرار ہونے والوں کا تعاقب کرنا　　۱۰۔ کربلا کی جانب فوج کو روانہ کرنا
۱۱۔ کوفہ پر کنٹرول حاصل کرنا　　۱۲۔ حاکم وقت یزید کا اطاعت گزار ہونا

ہم اس مقالہ میں ایک ایک کرکے ابن زیاد کے ان تمام سیاسی اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ابن زیاد نے اہل کوفہ کو مسلسل دھمکیاں دیں اور انہیں حاکم کی اطاعت سے بغاوت کرنے سے ڈرایا۔ اس نے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد مسجد کوفہ میں اپنی پہلی تقریر میں کہا:

''أما بعد فان أمیر المؤمنین أصلحه الله ولانی مصرکم وثغرکم، وأمرنی بانصاف مظلومکم، واعطاء محرومکم، وبالاحسان الی سامعکم ومطیعکم، وبالشدة علی مریبکم وعاصیکم، وأنا متبع فیکم أمره، ومنفذ فیکم عهده، فانا لمحسنکم ومطیعکم کالوالد البر، وسوطی وسیفی علی من ترك أمری، وخالف عهدی، فلیبق امرء علی نفسه الصدق ینبء عنك لا الوعید''

ترجمہ: ''امابعد! امیر المؤمنین (یزید) نے مجھے تمہارے شہر اور اس کی سرحدوں کا امیر بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے درمیان مظلوموں کو انصاف اور محروموں کو ان کا حق دوں، تمہارے درمیان جو میری باتیں سنے اور میرا مطیع ہو اس کے ساتھ نیکی کروں اور شک و تردید کرنے والوں اور معصیت کرنے والوں کے ساتھ شدت سے پیش آؤں۔ یہ جان لو کہ میں تمہارے سلسلے میں اپنے امیر کے حرف حرف کا پابند ہوں اور میں ان کے عہد و پیمان کو تمہارے سلسلے میں نافذ کرکے رہوں گا۔ میں تمہارے درمیان نیک کردار اور فرمانبردار لوگوں کے لئے باپ کی طرح ہوں۔ میرا تازیانہ اور میری تلوار ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے حکم اور میرے امر کی مخالفت کرے گا، پس جس کو اپنی زندگی کا پاس ہوگا وہ میرے لئے نیک کردار اور راست باز ہوگا۔ وعدہ اور وعید کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' (1)

یہ کہہ کر وہ منبر سے اُترا اور شہر کے سربرآوردہ لوگوں سے سختی سے پیش آتے ہوئے کہنے لگا:

''اکتبوا الی الغرباء و من فیکم من طلبه أمیر المؤمنین و من فیکم من الحرو ریة و أهل الریب الذین رأیهم الخلاف والشقاق فمن کتبهم الی فبرء و من لم یکتب لنا أحدا فلیضمن لنا۔ ما فی عرافته أن لایخالفنا فیهم مخالف ولایبغ علینا منهم باغ فمن لم یفعل فبرئت منه الذمة و حلال لنا دمه و ماله و أیما عریف وجد فی عرافته من بغیة أمیر المؤمنین أحد لم یرفعه الینا صلب علی باب دارہ و ألغیت تلك العرافة من العطاء و سیر الی موضع بعمان الزارة ثم نزل''

ترجمہ: ''تم لوگ ناشناس اور بیگانہ افراد کے سلسلے میں لکھ کر مجھے دو اور وہ لوگ جن کی امیر المؤمنین (یزید) کو تلاش ہے اور حروریہ والوں کے بارے میں بھی مجھے لکھ کر بتاؤ۔ اسی طرح وہ افراد جو شک وتردید کے ذریعے اختلاف اور پھوٹ ڈالتے ہیں۔ ان کے سلسلے میں بھی مجھے تحریر کرو، یہ جان لو کہ جو بھی مجھے ان لوگوں کے سلسلے میں لکھ کر دے گا وہ آزاد ہے اور جو لکھ کر کسی ایک کے بارے میں بھی نہیں دے گا وہ اپنی عرافت کے بارے میں ضامن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہماری مخالفت نہ کرے اور ان میں سے کوئی بھی ہم سے بغاوت نہ کرے اور اگر کسی نے ایسا نہیں کیا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں اور اس کا مال اور اس کی خون ریزی میرے لئے حلال ہے۔ اگر کسی عریف کے دائرہ عرف میں کوئی امیر المؤمنین (یزید) کا باغی پیدا ہوا جس کی گرفتاری سے پہلے اس قبیلہ کے امیر نے ہمیں خبر نہ دی تو اس کے دروازے پر اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا اور اس قبیلے کے تمام لوگوں کے ماہانہ حقوق قطع کر دیئے جائیں گے اور انہیں ''عماد زارہ'' کے علاقے میں شہر بدر کر دیا جائے گا۔'' (2)

غور کیجئے، عبید اللہ نے دھمکی دینے کے لئے کیسے کیسے جملے استعمال کیے ہیں۔ یعنی اگر کوئی یزید کا باغی پیدا ہوا تو اس کا مال ابن زیاد پر حلال اور اس کو قتل کرنا بھی اس پر حلال ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر کسی قبیلے کے امیر نے اس کی گرفتاری کی خبر نہ دی تو اس امیر کو اس کے گھر کے دروازے پر سولی دے دی جائے گی، اس کے قبیلہ کو جو سرکاری وظیفہ ملتا ہے وہ نہیں ملے گا اور انہیں شہر بدر بھی کر دیا جائے گا۔ جب حضرت مسلم بن عقیلؑ کو عبید اللہ بن زیاد کی آمد، اس کے خطبے اور عرافہ کے ساتھ اس کی روش کی خبر ملی تو آپ جناب مختار کے گھر سے ہانی ابن عروہ کے گھر میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

جب ہانی ابن عروہ کو دھوکہ دہی سے گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا تو ابن زیاد نے ہانی کو سختی سے کہا کہ:

''واللہ لتأتینی بہ أو لأضربن عنقك۔''

ترجمہ: ''خدا کی قسم! تم اسے (جناب مسلم) کو ضرور یہاں لاؤگے ورنہ میں تمہاری گردن اُڑادوں گا۔'' (3)

جب ہانی ابن عروہ کو ابن زیاد نے قید کرنے کا حکم دیا تو اس کے بعد وہ قوم کے سربرآوردہ افراد، اپنے غلاموں اور اپنی پولیس کے افسروں کے ساتھ محل سے باہر نکلا اور منبر پر جاکر کہا:

''أما بعد أیھا الناس فاعتصموا بطاعۃ اللہ وطاعۃ أئمتکم، ولا تفرقوا فتھلکوا وتذلوا وتقتلوا وتجفواتحرموا، ان أخاك من صدقك، وقد أعذر من أنذر''

ترجمہ: ''اما بعد! اے لوگوں خداوند عالم کی فرمانبرداری اور اپنے حاکم کی اطاعت کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو نیز اختلاف اور افتراق سے بچو ورنہ ہلاك ہو جاؤگے، ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے، قتل، جفا اور محرومیت تمہارا مقدر ہو جائے گی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا بھائی وہ ہے جو سچ بولتا ہے اور جو ہوشیار کردیتا ہے اس کا عذر معقول ہے۔'' (4)

ابن زیاد کہ جس نے ہانی کو قید کردیا تھا وہ لوگوں کی شورش سے ہراساں اور خوفزدہ ہوگیا تھا للذا وہ قوم کے سربرآوردہ لوگوں، اپنے غلاموں اور پولیس افسروں کے ساتھ اپنے محل سے باہر نکلا تھا اس نے وہی دھمکی والا طریقہ اپنایا اور حاکم کی اطاعت کو لازمی قرار دیتے ہوئے ہلاکت، جور و جفا اور وظائف سے محرومی جیسی باتوں سے ڈرایا۔ جب ایک موقع پر حضرت مسلم بن عقیلؑ کی مدد و نصرت کرنے والوں کی کوئی آواز ابن زیاد کو سنائی نہ دی تو اس نے سپاہیوں سے کہا کہ مسجد کوفہ کو قندیلوں سے روشن کردو کہ کہیں کوئی حضرت مسلمؑ کا ساتھی چھپا ہوا تو نہیں ہے۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے تو اس نے اپنے کاتب عمرو بن نافع کو حکم دیا کہ فوراً جاکر یہ اعلان کرے کہ:

''ألا برئت الذمۃ من رجل من الشرطۃ والعرفاء أو المناکب أو المقاتلۃ صلی العتمۃ الا فی المسجد فلم یکن لہ الا ساعۃ حتی امتلا المسجد من الناس ثم أمر منادیہ فأقام الصلاۃ۔''

ترجمہ: ''حاکم ہر اس شخص کی حرمت سے دست بردار ہے جو نماز عشاء مسجد کے علاوہ کہیں اور پڑھے، خواہ وہ پولیس ہو یا عرفاء، صاحبان شرف ہوں یا جنگجو۔'' (5)

اس خطرناک اور تہدید آمیز اعلان کا اثر یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد کوفہ لوگوں سے چھلکنے لگی۔ نماز عشاء پڑھا کر اس نے منبر پر جا کر خطبہ دیا اور کہا:

''أما بعد فان ابن عقیل السفیه الجاهل قد أتی ما رأیتم من الخلاف والشقاق فبرئت الذمة من رجل وجدناه فی دارہ ومن أتانا به فله دیته۔ وأمرهم بالطاعة ولزومها۔''

ترجمہ: ''امابعد جاہل اور بیوقوف ابن عقیل کو تم لوگوں نے دیکھا کہ اختلاف اور جدائی لے کر یہاں آیا۔ میں ہر اس شخص کی حرمت سے بری الذمہ ہوں جس کے گھر ہم نے مسلم کو پایا اور جو بھی مسلم کو لے کر آئے گا اس کا خوں بہا اسے دے دیا جائے گا۔ اے بندگان خدا تقویٰ اختیار کرو، اپنی اطاعت و بیعت پر برقرار رہو اور اپنی حرمت شکنی کے راستے نہ کھولو۔'' (6)

اس کے بعد سپاہیوں کے سربراہ حصین ابن تمیم کی طرف رُخ کر کے کہا:

''یا حصین ابن تمیم ثکلتك أمك ان صاح باب سکة من سکك۔ الکوفة أو خرج هذا الرجل ولم تأتنی به وقد سلطتك علی دور أهل الکوفة فابعث مراصدة علی أفواہ السکك وأصبح غدا واستبر الدور وجس خلالها حتی تأتینی بهذا الرجل''

ترجمہ: ''اے حصین بن تمیم! ہوشیار ہو جا! شہر کوفہ کا کوئی دروازہ بھی کھلا، یا یہ مرد اس شہر سے نکل گیا اور تو اُسے نہ پکڑ سکا تو یہ دن تیری ماں کے لئے عزا کا دن ہوگا! ہم نے تجھے کوفیوں کے سارے گھروں پر مسلط کیا ہے، تو آزاد ہے، جس گھر میں چاہے جا کر تلاش کر لہٰذا تو فوراً شہر کوفہ کے دروازوں پر نگہبانوں کو لگادے اور کل صبح سے وقت کے ساتھ گھروں کی تلاشی لے اور ٹوہ میں لگ جا یہاں تک کہ اس مرد کو میرے سامنے پیش کرے۔'' (7)

یہاں اس نے حصین ابن تمیم کو دھمکی دی کہ اگر وہ جناب مسلمؑ کو گرفتار نہ کر سکا تو یہ دن اس کی ماں کے لئے عزا کا دن ہوگا یعنی دوسرے الفاظ میں یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔ جب حضرت مسلمؑ تنہا ابن زیاد کی فوج سے جنگ لڑنے کے بعد گرفتار کر لیے گئے تو ابن زیاد نے انہیں دھمکی دیتے ہوئے کہا:

''لعمری لتقتلن''۔ مجھے اپنی جان کی قسم تم ضرور بالضرور قتل کیے جاؤ گے۔'' (8)

اسی طرح سے جب ابن زیاد اور حضرت مسلم بن عقیلؑ کے درمیان الفاظ کی تکرار ہوئی تو ابن زیاد نے انہیں دھمکی دیتے ہوئے کہا:

''قتلنی ان لم أقتلك قتلة لم يقتلها أحد فی الاسلام''

ترجمہ: ''اللہ مجھے قتل کرے اگر میں تم کو قتل نہ کروں جس طرح سے پورے اسلام کی تاریخ میں اب تک کسی کو قتل نہیں کیا گیا ہے۔'' (9)

ابن زیاد کی مسلسل دھمکیوں سے اہل کوفہ خوف و ہراس کا شکار ہو گئے۔

ابن زیاد نے دوسرا اقدام افوائیں پھیلانے کا کیا۔ اس نے کثیر بن شہاب بن حصین کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنے مذحجی پیروکاروں کے ساتھ کوفہ کی گلیوں میں منتشر ہو جائے اور لوگوں کو جھوٹ اور پروپیگنڈے کے ذریعے جناب مسلمؑ سے دور کرے، انہیں جنگ سے ڈرائے اور حاکم کے ظلم و ستم اور قید و بند سے خوف دلائے۔ (10) اس نے شبث ابن ربعی کے ہاتھ میں پرچم دے کر کہا کہ:

''تم ایک بلندی سے نمودار ہو کر اپنے نوکر سرشت اور فرمانبردار افراد کو انعام، اکرام، احترام اور پاداش کے وعدے سے سرشار کردو اور خاندان رسالت کے پیروؤں کو ڈراؤ کہ سنگین کیفر کردار، قطع حقوق اور محرومیت میں گرفتار ہوں گے اور ان کے دلوں میں یہ کہہ کر خوف ڈال دو کہ عبید اللہ کی مدد کے لئے شام سے لشکر آنے ہی والا ہے۔'' (11)

ابن زیاد کے اس حکم میں کہا گیا کہ اس کی مدد کے لئے شام سے یعنی یزید کی طرف سے لشکر آنے والا ہے۔ اسی افواہ کے سبب لوگ آہستہ آہستہ حضرت مسلم بن عقیلؑ کا ساتھ دینے سے پہلو تہی کرنے لگے اور نتیجہ میں حضرت مسلمؑ کوفہ میں تنہا رہ گئے۔ ابن زیاد نے ایک اور اہم اقدام لوگوں کو لالچ دینے کا کیا۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کا قافلہ عذیب الھجانات تک پہنچا تو چار سوار کوفہ کی جانب سے حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچے جن میں مجمع بن عبد اللہ عائذی نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا:

''أما أشراف الناس فقد أعظمت رشوتهم و ملئت غرائرهم فهم ألب واحد عليك و أما سائر الناس فقد أعظمت قلوبهم تهوى اليك و سيوفهم غدا مشهورة عليك''

ترجمہ: ''اشراف اور سربرآوردہ افراد کو رشوت کی خطیر رقم دیدی گئی ہے، ان کے تھیلوں کو بھر دیا گیا ہے، اس طرح ان کی خیر خواہی کو اپنی طرف متوجہ کرلیا گیا ہے اور ان کو اپنا محبوب بنالیا گیا ہے۔ یہ گروہ وہ ہے جو آپ کے خلاف دشمن کے ہمراہ ہے اور بقیہ لوگ وہ ہیں جن کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں کل آپ کی خلاف کھینچی ہوں گی۔'' (12)

جب ابن زیاد نے عمر بن سعد کو کربلا کی طرف روانہ کرنا چاہا تو عمر ابن سعد نے اس سے کہا کہ آپ مجھے اس کام سے معاف فرمائیں اور خود روانہ ہوں لیکن ابن زیاد نے کہا کہ اس کی شرط یہ ہے کہ تم وہ عہد نامہ واپس کردو جو میں نے تمہیں ''رے'' کی حکومت کا دیا ہے، جس پر اس نے ایک دن کی مہلت مانگی کہ اس سلسلہ میں غور و فکر کرسکے۔ اگلے دن جب وہ ابن زیاد کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ حسین ابن علی علیہم السلام کی طرف کوفہ کے کسی سربرآوردہ شخص کو بھیج دے اور اس نے چند نام بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کیے تو ابن زیاد جو کہ عمر بن سعد کو ''رے'' کی حکومت کا پروانہ دے چکا تھا، اس نے کہا:

''لا تعلمنی بأشراف أهل الكوفة فسلت استأمرك فيما أريد أن أبعث ان سرت بجندنا والا فابعث الينا بعهدنا''

ترجمہ: ''تم مجھے اشرافِ کوفہ کے سلسلہ میں سبق مت سکھاؤ اور حسینؑ کی طرف کس کو روانہ کیا جائے اس سلسلہ میں، میں نے تم سے کوئی مشورہ نہیں چاہا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو ہمارے لشکر کے ساتھ روانہ ہوجاؤ، ورنہ ہمارے عہد نامہ کو ہمیں لوٹادو۔'' (13)

جب عمر بن سعد نے ابن زیاد کی یہ ہٹ دھرمی دیکھی تو وہ حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے جانے پر تیار ہوگیا۔ شہر ''رے'' کی گورنری ایک ایسا لالچ تھا کہ جس کے سبب ابن زیاد نے عمر بن سعد کو کربلا روانہ کردیا۔ کوفہ میں اکثر قبائل آباد تھے اور ہر قبیلہ کا اپنا سردار ہوتا تھا۔ ابن زیاد نے یہ قدم اُٹھایا کہ جن جن افراد کو حضرت مسلم بن عقیلؑ نے ان قبائل کا سردار مقرر کیا تھا، انہیں معزول کرکے اپنے آلہ کاروں کو ان قبائل کا سردار بنادیا، جیسے:

1) عباس بن جعدہ جدلی کی جگہ کہ جنہیں حضرت مسلمؑ نے سردار بنایا تھا، عمرو بن حریث کو ان تمام قبائل کا سردار بنایا گیا جو حجاز و مدینہ سے ہجرت کرکے کوفہ میں آکر آباد ہوگئے تھے۔

2) ابو ثمامہ صائدی کو جو تمیم و ہمدان جیسے قبیلہ کے سردار تھے، معزول کرکے ان کی جگہ خالد بن عرفطہ کو ان قبائل کا سردار بنادیا گیا۔

3) ربیعہ، بکر اور کندہ کے سردار عبید اللہ بن عمر بن عزیز کندی کو معزول کرکے قیس بن ولید عبدالشّمس کو سردار بنادیا گیا۔

4) بنی اسد اور مذحج جیسے معروف قبائل کی برگزیدہ شخصیت حضرت مسلم بن عوسجہ کو برطرف کرکے ابوبردہ فرزند ابوموسیٰ اشعری کو سردار مقرر کردیا گیا۔

ابن زیاد نے شہر کوفہ میں اپنے جاسوس بھی چھوڑے ہوئے تھے۔ جب حضرت مسلم بن عقیلؑ جنابِ ہانی کے یہاں روپوش ہوگئے تو اس نے اپنے غلام معقل کو بلایا اور اس سے کہا:

'' خذ ثلاثة آلاف درهم ثم اطلب مسلم بن عقيل واطلب لنا أصحابه ثم أعطهم هذه الثلاثة آلاف فقال لهم استعينوا بها على حرب عدوكم وأعلمهم أنك منهم فانك لو قد أعطيتها اياهم اطمأنوا اليك ووثقوا بك ولم يكتموك شيئا من أخبارهم ''

ترجمہ: ''یہ تین ہزار درہم لو اور مسلم بن عقیلؑ کی تلاش شروع کردو اور ان کے یار و مددگار اور ساتھیوں کی بھی تلاش شروع کردو پھر یہ تین ہزار درہم ان لوگوں کے ہاتھ میں دے کر یہ کہو کہ ان پیسوں سے اپنے دشمنوں سے جنگ کے لئے سامان مہیا کرو اور اس طرح یہ کام کرو کہ گویا تم انہیں میں سے ایک فرد ہو کیونکہ اتنی خطیر رقم جب تم انہیں دوگے تو وہ لوگ تم پر اطمینان حاصل کرلیں گے اور تم پر اعتماد حاصل کرنے لگیں گے اور اپنی خبریں تم سے نہیں چھپائیں گے اور صبح و شام آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھو۔'' (14)

معقل نے ابن زیاد کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا اور حضرت مسلم بن عقیلؑ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ جب ابن زیاد نے جنابِ ہانی بن عروہ کو دھوکہ سے اپنے پاس بلایا اور انہوں نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ حضرت مسلم بن عقیلؑ کو پناہ دیے ہوئے ہیں اور اطراف میں اسلحہ اور جنگجوؤں

کو اکٹھا کر رہے ہیں تو اس نے معقل کو ان کے روبرو پیش کر دیا تب وہ سمجھے کہ یہ شخص تو ابن زیاد کا جاسوس تھا۔

ابن زیاد نے ایک اور سیاسی روش یہ اختیار کی کہ اس نے کوفہ کی ناکہ بندی کرکے کڑی نگرانی شروع کر دی۔ یہ نگرانی اس قدر شدید تھی کہ جب کچھ اہل کوفہ کی حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کوفہ کے حالات کے بارے میں بتایا کہ

''واللہ ما ندری غیر أنا لا نستطیع أن نلج ولا نخرج۔ خدا کی قسم! اس قدر کڑی نگرانی ہے کہ نہ تو ہم کوفہ میں رہ سکتے ہیں اور نہ ہی شہر سے باہر جا سکتے ہیں۔'' (15)

ابن زیاد نے حصین ابن نمیر کو شہر کوفہ کی پولیس کا سربراہ بنایا اور اسے حکم دیا کہ کوفہ کے ہر گھر کی نگرانی کی جائے۔ ابن زیاد نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا کہ:

''وقد سلطتك علی دور أهل الكوفة''

ترجمہ: ''ہم نے تجھے اہل کوفہ کے گھروں پر مسلط کر دیا ہے۔'' (16)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مقام حاجر سے قیس بن مسہر صیداوی کو خط دے کر کوفہ کی جانب روانہ کیا تھا لیکن کوفہ کے اطراف میں نگرانی اتنی سخت تھی کہ جب وہ مقام قادسیہ پہنچے تو حصین ابن تمیم نے انہیں گرفتار کرکے ابن زیاد کی جانب کوفہ روانہ کر دیا۔ اسی طرح ایک اور منزل خزیمیہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام نے عبداللہ بن یقطر حمیری کو کوفہ روانہ کیا لیکن انہیں بھی قادسیہ میں حصین بن تمیم کی سربراہی میں مقیم فوج نے گرفتار کر لیا اور انہیں بھی ابن زیاد کی طرف بھیج دیا گیا۔

ابن زیاد کی اور سیاسی روش ان افراد کو قتل کرنا ہے جو حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے باوفا ساتھی تھے۔ چنانچہ اس کے حکم سے شہر کوفہ میں جن افراد کو قتل کیا گیا ان میں جنابِ میثم تمار، عبید اللہ بن عمرو بن کندی، عبیداللہ بن حارث بن نوفل ہمدانی، عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی علیمی، عباس بن جعدہ جدلی، عمارہ بن صلخب ازدی، قیس بن مسہر صیداوی، عبداللہ بن یقطر حمیری، عبداللہ بن عفیف، حضرت مسلم بن عقیلؑ اور حضرت ہانی بن عروہ شامل ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کی لمبی داستان ہے کہ انہیں ابن زیاد کے حکم سے کس طرح شہید کیا گیا۔ابن زیاد نے جن افراد کو قید کیا ان میں اہم ترین فرد مختار ثقفی ہیں کہ جنہیں دھوکہ سے امان کا وعدہ کیا گیا لیکن جب وہ پرچم امان کے نیچے آگئے تو صبح ابن زیاد کے پاس لے جائے گئے جہاں ابن زیاد نے انہیں پہلے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، جس سے ان کی ایک آنکھ زخمی ہو گئی۔اس کے بعد انہیں ابن زیاد کے حکم سے قید کر دیا گیا۔ کربلا کے خونی معرکہ کے وقت مختار ثقفی ابن زیاد کی قید میں تھے۔

ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کے کچھ ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد حضرت مسلم بن عوسجہ، حضرت حبیب بن مظاہر اور چند دوسرے افراد کا پیچھا کیا لیکن اسے ناکامی ہوئی اور یہ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قافلہ میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگئے، جہاں کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے باوفا ساتھیوں میں شامل ہو کر جنگ کرتے ہوئے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوگئے۔جب ابن زیاد کو شہر کوفہ پر مکمل کنٹرول حاصل ہو گیا تو اس نے منبر پر جا کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''فلایبقین رجل من العرفاء والمناکب والتجار والسکان اِلا خرج فعسکر معی فأیما رجل وجدناہ بعد یومنا ھَذَا متخلفاعَن العسکر برئت منه الذمة''

ترجمہ: ''ہر چھوٹا بڑا اور تاجر وغیرہ کوئی باقی نہ رہے اور تم سب لوگ میرے لشکر کے ہمراہ چلو اور جس نے ہمارے لشکر سے منہ موڑا تو ہم اس کے خون کے ذمہ دار نہیں ہیں۔'' (17)

اس طرح لوگوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے ابن زیاد نے محلوں اور کوچوں میں اپنے سپاہیوں کو روانہ کیا کہ وہ تلاش کریں اور اگر کسی کو نافرمانی کرتا ہوا پائیں تو اسے پکڑ کر لے لائیں۔اس طرح شہر کوفہ ابن زیاد کے مکمل کنٹرول میں آگیا، سوائے ان لوگوں کے جو جیل میں قید کردیے گئے تھے یا شہر سے باہر پناہ لے چکے تھے۔ابن زیاد نے کوفہ پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے بعد کربلا کی جانب حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ لڑنے کے لئے فوج کو روانہ کیا۔فوج کو ٹکڑوں میں بانٹ کر ان کے سرداروں کے ہمراہ روانہ کیا گیا تھا۔ مشہور فوجی کمانڈر یہ تھے:

1) یزیدی فوج کا سربراہ عمر بن سعد بن ابی وقاص تھا، جسے چار ہزار سپاہیوں کا سربراہ بنایا گیا تھا۔

2) حصین ابن تمیم کا تعلق شام کے شہر حمص سے تھا، وہ شہر کوفہ کی پولیس کا سربراہ تھااور اس شہر کے اطراف اور سرحدوں پر اس کی کڑی نگرانی تھی۔ یہ یزیدی فوج کے تیر انداز دستہ کا سربراہ تھا۔

3) شبث بن ربعی خوارج کا سربراہ تھا۔ یہ کربلا میں ایک ہزار فوج کا کمانڈر تھا۔

4) حجار بن ابجر عجلی ابن زیاد کی ایک ہزار فوج کا سربراہ تھا۔

5) شمر بن ذی الجوشن چار ہزار فوجیوں کا کمانڈر تھا۔ جب ابن زیاد نے محسوس کیا کہ عمر بن سعد اس کے حکم میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو اس نے ایک خط لکھ کر عمر بن سعد کی طرف روانہ کیا، ابن زیاد نے شمر سے کہا:

''اذهب فان جاء الحسين و أصحابه على حكمي والا فمر عمر بن سعد أن يقاتلهم، فان تباطأ عن ذلك فاضرب عنقه ثم أنت الأمير على الناس''

ترجمہ: ''جاؤ اگر حسینؑ نے ہمارا حکم مان لیا تو ٹھیک وگرنہ عمر بن سعد کو حکم دو کہ وہ انہیں قتل کردے۔ اگر وہ اس حکم کو ماننے میں ٹال مٹول سے کام لے تو اس کی گردن اُڑا کر تم خود اس فوج کے امیر بن جاؤ۔'' (18)

6) قیس بن اشعث کو فوجی کمانڈر بنا کر بھیجا گیا۔

7) محمد بن اشعث کو بھی جو قیس بن اشعث کا بھائی تھا، فوج کا کمانڈر بنا کر بھیجا گیا۔

8) یزید بن حارث کو دو ہزار سپاہیوں کا سردار بنا کر روانہ کیا گیا۔

9) عمرو بن حریث بھی فوج کا سردار تھا۔

10) عمرو بن حجاج بھی ابن زیاد کی فوج کا کمانڈر تھا۔ اسے نہر فرات پر تعینات کیا گیا تھا۔

11) عزرہ بن قیس احمسی بھی ابن زیاد کی فوج کا ایک کمانڈر تھا۔

یہ تمام افراد ابن زیاد کی جانب سے شہر کوفہ سے کربلا حضرت امام حسینؑ سے جنگ لڑنے کے لئے جانی والی فوج کے سربراہ تھے۔ ابن زیاد کی یہ تمام جنایت کاریاں اپنے حاکم یزید بن معاویہ کے زیر اثر تھیں اور اس کی مرضی کے عین مطابق تھیں، جس کا اقرار یزید نے اس وقت کیا، جب ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیلؑ اور حضرت ہانی بن عروہ کے کٹے ہوئے سروں کو اس کے پاس شام روانہ کیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی لکھا۔ اس خط کے جواب میں یزید نے ابن زیاد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا:

''أما بعد فانك لم تعد ان كنت كما أحب، عملت عمل الحازم وصلت صولة الشجاع الرابط الجأش، فقد أغنيت وكفيت، وصدقت ظني بك ورأيي فيك۔۔۔۔۔۔۔۔''

ترجمہ: ''اما بعد، تم حکومت اور نظام کے دفاع میں ویسے ہی ہو جیسا کہ میں چاہتا تھا۔ تمہارا کام دوراندیشی پر مبنی اور شجاعانہ ہے۔ وہاں کی حکومت کے لئے تم نے اپنی لیاقت اور صلاحیت ثابت کردی اور جو اُمیدیں تم سے وابستہ تھیں اسے عملی جامہ پہنادیا اور اپنے سلسلے میں میرے گمان اور میری رائے کو واضح اور سچا کر دکھایا۔۔۔۔۔'' (19)

یہ خط طویل ہے کہ جس میں آگے چل کر یزید لکھتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے عراق کی راہ اختیار کرلی ہے لہٰذا اسے چاہیئے کہ وہ حساس جگہوں پر پولیس کی چوکی بنادے اور پہرے بٹھادے۔ اسلحوں سے لیس سپاہیوں کو آمادہ رکھے اور اگر کسی کے بارے میں ذرہ برابر بھی شک ہو تو اسے گرفتار کرلے اور ہر رونما ہونے والے واقعہ کے بارے میں اُسے خبر پہنچاتا رہے۔

کربلا کے خونی معرکہ کے بعد شہر کوفہ میں ابن زیاد کی مجرمانہ سیاسی روش کو اس طرح رقم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ کربلا کے شہداء کے سروں کا ابن زیاد کے دربار میں لایا جانا۔

۲۔ دربار میں اسیرانِ کربلا کو زنجیروں میں جکڑ کر لایا جانا۔

۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے پیش ہونا۔

۴۔ ابن زیاد کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے لبوں سے چھڑی سے بے ادبی کرنا۔

۵۔ ابن زیاد کی کوشش کہ وہ حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام کو شہید کردے لیکن جنابِ زینبؑ کا انہیں بچانا۔

۶۔ابن زیاد کا سرِ امام حسین علیہ السلام کو نیزے پر نصب کرنا اور اسے اس کے حکم سے شہر کوفہ میں پھرایا جانا۔

۷۔عبید اللہ ابن زیاد کا مسجد کے خطبہ میں یزید اور اس کے گروہ کی تعریف کرنا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو کذاب ابن کذاب کہہ کران کی توہین کرنا۔

۸۔ابن زیاد کے حکم سے اسیرانِ کربلا کو کوفہ کے زندان میں ٹھہرایا جانا۔

۹۔عبداللہ بن عفیف کا احتجاج اور انہیں ابن زیاد کے حکم سے قتل کیا جانا۔

۱۰۔شہدائے کربلا کے سروں اور اسیرانِ کربلا کو یزید کے پاس شام روانہ کیا جانا۔

اگرچہ ابن زیاد نے جو اقدامات کیے وہ یزید کی مرضی کے عین مطابق تھے لیکن ابن زیاد نے اسیرانِ کربلا کو جس حالت میں یزید کے پاس بھیجا، اس سے خود یزید کو بھی برأت کا اظہار کرنا پڑا اور خاندان رسالت کو اس بری حالت میں دیکھ کر کہنے لگا:

''قبح اللہ ابن مرجانة لو كانت بينه وبينكم رحم أو قرابة ما فعل هذا بكم ولا بعث بكم هكذا''

ترجمہ: ''ابن مرجانہ کا خدا برا کرے! اگر تمہارے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ داری اور قرابت داری ہوتی تو وہ تم لوگوں کے ساتھ ایسا نہ کرتا اور اس حالت میں نہ بھیجتا۔'' (20

ہم نے اس مقالے میں کوشش کی کہ ابن زیاد کے ظالمانہ سیاسی اقدامات اور اس کی سیاسی چالوں کو تاریخی حوالوں کے ساتھ پیش کریں۔ ان میں سے ہر واقعہ عبید اللہ ابن زیاد کی جنایت کاریوں کو آشکار کرنے کے لئے کافی ہے۔ اہل تشیع واہل سنت کی تاریخ کی کتابیں اس کے ظلم وستم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ جناب مختار ثقفی نے جب شہر کوفہ میں اپنی حکومت قائم کی تو ابن زیاد کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچایا اور یزید کے اس خون آشام جلاد صفت گورنر کا اس روئے زمین سے ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔

*****

حوالہ جات

1۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق : حسین الغفاری، مطبعة العلمیة - قم - ص ۲۷
2۔ ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ۱۳۸۶ - ۱۹۶۶م، دار صادر - بیروت، لبنان - ج ۴ - ص ۲۴ - ۲۵
3۔ ابن طاووس، سید، اللھوف فی قتلی الطفوف، الأولی، ۱۴۱۷، مہر، أنوار الھدی، قم - ایران - ص ۳۲
4۔ عبد اللہ البحرانی، شیخ، العوالم، الامام الحسین (ع)، الأولی المحققة، ۱۴۰۷ - ۱۳۶۵ ش، مدرسة الامام المھدی (عج) بالحوزة العلمیة - قم المقدسة - ص ۱۹۷
5۔ طبری، تاریخ الطبری، مراجعة و تصحیح وضبط : نخبة من العلماء الأجلاء، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات - بیروت - لبنان، قوبلت ہذہ الطبعة علی النسخة المطبوعة بمطبعة "بریل" بمدینة لندن فی سنة ۱۸۷۹ م - ج ۴ - ص ۲۷۸
6۔ ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ۱۳۸۶ - ۱۹۶۶ م، دار صادر - بیروت، لبنان - ج ۴ - ص ۳۲
7۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق : حسین الغفاری، مطبعة العلمیة - قم - ص ۴۷ - ۴۸
8۔ شیخ المفید، الارشاد، مؤسسة آل البیت علیہم السلام لتحقیق التراث، الثانیة، ۱۴۱۴ - ۱۹۹۳ م، دار المفید للطباعة والنشر والتوزیع - بیروت - لبنان - ج ۲ - ص ۶۱
9۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق : حسین الغفاری، مطبعة العلمیة - قم - ص ۵۴
10۔ طبری، تاریخ الطبری، مراجعة و تصحیح وضبط : نخبة من العلماء الأجلاء، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات - بیروت - لبنان، قوبلت ہذہ الطبعة علی النسخة المطبوعة بمطبعة "بریل" بمدینة لندن فی سنة ۱۸۷۹ م - ج ۴ - ص ۲۷۶
11۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق : حسین الغفاری، مطبعة العلمیة - قم - ص ۴۴
12۔ ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ۱۳۸۶ - ۱۹۶۶ م، دار صادر - بیروت، لبنان - ج ۴ - ص ۴۹
13۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، تحقیق: علی شیری، ۱۴۱۵، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع - بیروت - لبنان - ج ۴۵ - ص ۵۱
14۔ طبری، تاریخ الطبری، مراجعة و تصحیح وضبط : نخبة من العلماء الأجلاء، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات - بیروت - لبنان، قوبلت ہذہ الطبعة علی النسخة المطبوعة بمطبعة "بریل" بمدینة لندن فی سنة ۱۸۷۹ م - ج ۴ - ص ۲۷۰
15۔ ایضاً، ج ۴ - ص ۲۹۵
16۔ الأصفہانی، أبو الفرج، مقاتل الطالبیین، تقدیم واشراف : کاظم المظفر، الثانیة، ۱۳۸۵ - ۱۹۶۵م، منشورات المکتبة الحیدریة ومطبعتہا - النجف الأشرف - عراق، ص ۶۸
17۔ البلاذری، أحمد بن یحیٰی بن جابر بن داود، جمل من أنساب الأشراف، تحقیق : سہیل زکار وریاض الزرکلی، دار الفکر - بیروت، الطبعة: الأولی، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ م، ج ۳، ص ۱۷۸
18۔ ابن کثیر، البدایة والنہایة، تحقیق وتدقیق وتعلیق : علی شیری، الأولی، ۱۴۰۸ - ۱۹۸۸ م، دار احیاء التراث العربی - بیروت - لبنان - ج ۸ - ص ۱۹۰
19۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق : حسین الغفاری، مطبعة العلمیة - قم - ص ۶۰
20۔ ایضا، ص ۲۱۳ - ۲۱۴

اعضاء کی پیوندکاری، مذاہب اربعہ اور امامیہ کی نظر میں

مترجم: سید حسنین عباس گردیزی*
Hasnain.gardezi@gmail.com

کلیدی کلمات: عضو کی پیوند کاری، شیعہ، شافی، مالکی، حنفی، حنبلی

خلاصہ

اعضاء بدن کی پیوند کاری کا مسئلہ موجودہ شکل میں پہلے ادوار میں کبھی پیش نہیں آیا تھا۔البتہ اس موضوع کی بنیادیں ہماری فقہی کتب اور دینی متون میں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر قصاص میں کٹے ہوئے کان کو دوبارہ جوڑنے اور گرے ہوئے دانت کو دوبارہ لگانے کے بارے میں منقولہ روایات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح سے دینی کتب سے اخذ کئے گئے کلی قواعد اور اصول جیسے"علینا القاء الاصول وعلیکم التفریع" سے مذکورہ مسئلے میں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہےاور ہر ایک کی تین فیصلیں ہیں مقالہ نگار نے ہر فصل میں پہلے مختلف مذاہب کے علماء اور فقہاء کے اقوال کو ان کے دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے پھر ان کا تجزیہ تحلیل کرتے ہوئے ان پر تنقید اور تبصرہ کیا ہے۔

*۔یہ مقالہ مجلّہ "طلوع، پائیز ۱۳۸۵، شمارہ ۱۹ سے لیا گیا ہے جس کا ترجمہ محترم مدرس جامعۃ الرضا ومدیر اعلی مجلّہ نور معرفت، (بارہ کہو اسلام آباد) نے کیا ہے۔

مقدمہ

اسلام ایک کامل دین ہے، اس کی شریعت تمام زمانوں اور علاقوں کے لیے ہے اور ہمہ گیر ہے۔ اس کی اسی خصوصیت کی بناپر اپنی پوری تاریخ میں تغیر اور تبدیلی سے شریعت اسلام محفوظ رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ وحرامہ حرام الی یوم القیامۃ'' (1) دوسری طرف یہ امر بھی مسلم ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی سوچ اور فکر میں جدید اور نئے مسائل جنم لیتے رہے ہیں، جن کا جواب اسلامی فقہ کو دینا چاہیے اور جدید مسائل کے حل کے لیے اسے کمر ہمت باندھنی چاہیے۔ یہ تحریر اسی کوشش کا نتیجہ ہے جس میں ایک جدید اور درپیش مسئلہ پر اسلامی مذاہب کے نقطۂ نظر سے تحقیق کی گئی ہے۔

حصہ اوّل: کسی عضو کی صاحب عضو کے بدن میں پیوند کاری

فصل اوّل: بدن کے کسی جدا شدہ یا کٹے ہوئے عضو کو دوبارہ اس بدن سے جوڑنا (پیوند کاری کرنا)

کبھی کسی حادثے کے نتیجے میں انسان کے جسم کا کوئی عضو کٹ جاتا ہے، کبھی انسان کی ہڈی چورہ چورہ ہو جاتی ہے یا بدن کے جل جانے کی صورت میں انسان کے بدن کا کچھ حصہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ کیا وہ شخص اپنے جدا شدہ اعضاء کو دوبارہ اپنے جسم سے پیوند کر سکتا ہے اور اپنے جسم کے نقص کو برطرف کر سکتا ہے۔ یعنی کیا شرعی لحاظ سے یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

فقہاء کے اقوال:

شیعہ فقہاء۔ غیبت صغریٰ کے دور کے نزدیک اور اس سے بعد والے (فقہا) ''قصاص طرف'' کے مسئلے میں جدا شدہ عضو کی پیوند کاری کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ ان کے دلائل میں سے ایک 'عضو' کی نجاست ہے (2) جہاں تک جدا شدہ عضو کی نجاست کا تعلق ہے تو وہ صرف قصاص کے مسئلے سے مربوط نہیں ہے۔ پس یہ کہا جاسکتا ہے قدماء کے نزدیک کٹے ہوئے عضو کی اسی بدن میں پیوند کاری جائز نہیں ہے خواہ قصاص میں ہو یا قصاص کے علاوہ، مثلاً قاضی بن برّاج فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کسی کے کان کو کاٹ دے پھر مجروح فوراً اس کان کو اپنی مقام پر جوڑ دے اس صورت میں واجب ہے کہ اس کان کو الگ کیا جائے اور اس (پیوند شدہ) عضو کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہے کیونکہ بغیر ضرورت کے خارجی نجاست جسم کے ہمراہ ہے۔'' (3)

شافعی فقہاء:

بعض فقہا شافعیہ ایسے عضو کی پیوند کاری کے بھی قائل نہیں ہیں جس میں روح نہیں ہوتی (4) البتہ بعض دوسرے فقہاء صرف ان اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کے قائل نہیں ہیں جن میں روح ہوتی ہے۔ (5)

مالکی فقہاء:

زندہ انسان سے جدا ہونے والے عضو کی نجاست یا طہارت کے بارے میں مالکی فقہاء میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض اس کی نجاست کے قائل ہیں اور بعض اس عضو کی طہارت کے قائل ہیں۔ جو طہارت کے قائل ہیں ان کے نزدیک عضو کی پیوند کاری جائز ہے (6) جو فقہاء اس عضو کی نجاست کے قائل ہیں، ان میں سے بھی بعض عضو کی پیوند کاری کو جائز سمجھتے ہیں۔ (7)

حنفی فقہاء:

ان کے نزدیک (جدا شدہ) عضو کی نجاست فقط ان اعضاء کے ساتھ مخصوص ہے جن میں روح اور جان ہوتی ہے (8) ان میں سے بعض "ما لا تحله الحیات" عضو کی طہارت کو بطور مطلق قبول نہیں کرتے، بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ کٹا ہوا عضو اس کے مالک کے لیے نجس نہیں ہے (9) بلکہ فقط دوسروں کے لیے نجس ہے۔ ان حنفی فقہاء کی آراء کی بناء پر عضو کی پیوند کاری میں نجاست کی وجہ سے کوئی ہرج نہیں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں اس بات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (10)

حنبلی فقہاء:

زندہ انسان سے جدا ہونے والے عضو کی نجاست کے بارے میں حنبلی فقہاء کے درمیان اختلاف نظر پایا جاتا ہے، البتہ پیوند کاری اور ٹھیک ہونے کے بعد سب پیوند شدہ عضو کی طہارت کے قائل ہیں۔ (11)

اس بناء پر ان کے نزدیک مالک کے جسم کے ساتھ دوبارہ عضو کے جوڑنے میں نجاست کے لحاظ سے کوئی مشکل نہیں ہے۔

فقہاء کی آراء سے واضح ہوتا ہے کہ مذاہب خمسہ کے فقہاء کے درمیان جدا شدہ عضو کی صاحبِ عضو کے بدن میں پیوند کاری کے بارے میں اختلاف نظر موجود ہے۔ یہاں تک کہ اس مسئلے میں ایک مذہب کے فقہاء میں بھی اتفاق نظر نہیں پایا جاتا۔ عدم جواز کے قائلین کی بنیادی دلیل اس عضو کی نجاست اور نماز میں اس کا ممنوع ہونا ہے۔

معاصر فقہاء کی آراء:

اسلامی مذاہب کے دور حاضر کے تمام فقہاء مقطوع عضو کے صاحب بدن کے ساتھ پیوند کاری کے جواز پر تقریباً متفق نظر آتے ہیں سوائے (12) شافعی مسلک کے چند فقہاء کے جو ابھی تک اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکے کہ دوبارہ جڑے ہوئے عضو کی برفرض نجاست جڑ جانے اور اس میں دوبارہ روح دوڑنے سے وہ میتہ (مردار) ہونے سے خارج ہو جاتا ہے۔ تقریباً سب مقطوع عضو کے صاحب بدن کے ساتھ پیوند کاری پر متفق ہیں۔ (13)

مثال کے طور پر عصر حاضر کی عظیم فقیہ امام خمینیؒ مذکورہ مسئلے کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر عضو کی پیوند کاری سے اس میں دوسرے اعضاء کی طرح جان اور روح آجائے تو اب وہ مردار اور نجس نہیں ہے۔ (14)

نماز کی درستگی میں پیوند شدہ عضو کا مانع ہونا دو پہلوؤں سے قابل بحث ہے۔ ایک اس کا نجس ہونا اور دوسرا ''مالایؤکل'' یعنی گوشت کا حرام ہونا ہے۔

نجاست کی وجہ سے مانع ہونا:

پیوند کاری کے عدم جواز کے قائلین کا استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ پیوند شدہ عضو نجس ہے اور نجس عضو کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہے، لہٰذا حاکم کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب سے اس عضو کو بدن سے جدا کرنا چاہیے۔ جیسا کہ شافعی فقہاء اور بعض امامیہ فقہاء نے اس مطلب کی تشریح کی ہے۔

اس استدلال کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر عضو کو جدا کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب سے ہو تو یہ حاکم کے ساتھ مختص نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس صورت میں تو تمام مسلمانوں کا فریضہ بنتا ہے کہ اسے دوبارہ جدا کردیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ زندہ انسان سے جدا شدہ عضو کی نجاست کے بارے میں جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم میں موضوع میتہ (مردار) کی نجاست ہے۔ دوسری قسم میں وہ احادیث ہیں جو بطور خاص مقطوع عضو کے بارے میں بیان ہوئی ہیں اور وہ بتاتی ہیں کہ مقطوع عضو میتہ (مردار) ہے۔

پہلی قسم کی احادیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ عرفی لحاظ سے زندہ شخص سے جدا شدہ عضو پر میتہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ لیکن دوسری قسم کی روایات سے (عموم تنزیل کی مدد سے) استدلال کرنا درست ہے۔ البتہ عضو کے دوبارہ جڑنے اور اس میں روح پڑنے کے بعد اس پر جدا شدہ عضو کا عنوان صادق نہیں آتا۔ لہٰذا اس کا حکم (یعنی نجاست والا حکم) بھی یہاں لاگو نہیں ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ فرض کیا کہ پیوند شدہ عضو کی نجاست ثابت ہے اس صورت میں اس کا مانع ہونا ظاہری اعضاء سے مختص ہے۔ اسی طرح اس کا مانع ہونا اس صورت میں ہے جب یہ "ماتحلّہ الحیاۃ" کے اعضاء میں سے ہو اور ٹھنڈا ہونے کے بعد جوڑا گیا ہو۔ پس یہ دلیل برفرض ثبوت، مدعا سے اخص ہے۔

نجاست کے استصحاب کا شبہہ اور اس کا حل

پیوند کاری سے پہلے کٹے ہوئے عضو کی نجاست یقینی تھی اور اس کے بعد اس کی نجاست کے باقی رہنے میں شک ہے اس صورت میں نجاست کا استصحاب جاری ہوگا۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ پیوند شدہ عضو کی تین حالتیں متصور ہیں، حقیقی طور پر جڑ جانے اور جان پڑ جانے کا یقین، جان نہ پڑنے کا یقین، جڑنے اور جان پڑنے میں شک۔

پہلی صورت میں متیقن قضیے اور مشکوک قضیے میں عرفی طور پر وحدت موجود نہیں ہے۔ یعنی لوگ انہیں ایک قضیہ نہیں سمجھتے۔ کیونکہ متیقن عضو جدا اور فاقد حیات ہے، جبکہ مشکوک عضو جڑا ہوا اور

حامل حیات ہے۔ دوسری صورت میں شک لاحق موجود ہی نہیں ہے، یعنی استصحاب کی ضرورت نہیں ہے اور تیسری صورت میں بھی نجاست کے استصحاب کا مقام نہیں ہے، بلکہ موضوع نجاست کا استصحاب جاری ہوگا، چونکہ سببی اصول مسببی پر غالب ہے اگرچہ دونوں کا نتیجہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔ پس نجاست کا استصحاب درست نہیں ہے۔

''مالایؤکل لحمہ'' کے اعتبار سے ممنوعیّت

بہت ساری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام گوشت جانور کے اعضاء میں نماز صحیح نہیں ہے (15) اور پیوند شدہ عضو حرام گوشت جانور کا جزء ہے۔ بعض معاصر محققین نے اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ ان روایات کا تعلق نمازی کے لباس کے ساتھ ہے نہ کہ نمازی کے ہمراہ چیزوں سے جو کہ پیوند شدہ عضو ہے (16) یہ جواب قابل تامل ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں ایسے اجزاء سے نہی کی گئی جو پہننے اور بدن چھپانے کے کام ہی نہیں آتے، جیسے پیشاب، دودھ، بال۔۔۔۔ (17) اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ روایات کی مذکورہ قسم انسان کے جسم کے اجزاء کے بارے میں نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو یہ دلالت کرتی ہیں کہ انسان کے اجزاء نماز کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہیں اور اسی طرح پیوند شدہ اعضاء ہیں۔ معصومین علیہم السلام (18) کے ذریعے منقولہ روایات بھی اسی بات کی تائید کرتی ہیں کہ پیوند شدہ اعضاء نماز کی صحت میں رکاوٹ نہیں ہیں نہ ہی نجاست کے لحاظ سے اور نہ ہی "مالایوکل لحمہ" کے اعتبار سے۔ (19)

دوسری فصل: قصاص کے باب میں اعضاء کی پیوند کاری

اقوال فقہاء:

شیعہ فقہاء: اسلام کے ابتدائی ادوار اور عصر معصومینؑ کے فقہاء اور اسی طرح ان سے متأخر فقہاء "قصاص الطرف" کے مسئلہ مس مقطوع عضو کی پیوند کاری کے جائز نہ ہونے کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں شیخ طوسیؒ نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے (20) البتہ علامہ حلیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ قصاص لینے والا یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ مجرم کے پیوند شدہ عضو کو دوبارہ کاٹ دے (21)۔ معاصر فقہاء کا اس

بارے میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔ ان میں بعض جیسے امام خمینیؒ (22) جواز کے قائل میں اور بعض دیگر جیسے آیت اللہ خوئیؒ (23) عدم جواز کے قائل ہیں۔

شافعی فقہاء : متقدمین شیعہ فقہاء کی طرح شافعی فقہاء بھی عدم جواز کے قائل ہیں۔ (24)

حنبلی فقہاء : چونکہ حنبلی فقہاء کے نزدیک پیوند کاری کا جواز یا عدم جواز کا معیار اس عضو کی نجاست اور طہارت ہے اور ان کے ہاں پیوند شدہ عضو پاک ہے لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ قصاص کے باب میں عضو کی پیوند کاری جائز ہے۔ (25)

حنفی اور مالکی فقہاء :

پیوند شدہ عضو کی نجاست اور طہارت کے معیار کی بناپر کہا جاسکتا ہے کہ بعض حنفی فقہاء اور تمام مالکی فقہاء کے نظریے کے تحت باب قصاص میں عضو کی پیوند کاری جائز ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک پیوند شدہ عضو پاک ہے جیسا کہ گذشتہ فصل میں بیان ہو چکا ہے۔

عدم جواز کے قائلین کے دلائل :

- ❖ پیوند شدہ عضو کا نجس ہونا اور مردار ہونا
- ❖ اجماع اصحاب
- ❖ اسحاق بن عمار کی روایت : "اِنَّمایکون القصاص من اجل الشین" (26)

جواز کے قائلین کے دلائل :

عدم جواز کی ادلہ ناتمام ہیں اور وہ مدعا کو ثابت نہیں کرتیں (چونکہ اجماع کا تحقق ثابت نہیں ہے اور روایت ضعیف ہے (27) لہٰذا قاعدہ برائت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تحقیق :

اجمالی طور پر قصاص کے باب میں اعضاء کی پیوند کاری کی درج ذیل اقسام ہیں۔

قصاص لینے سے قبل مجروح (مضروب) کے عضو کی پیوند کاری

قصاص لینے کے بعد مجرم کے عضو کی پیوند کاری

قصاص لینے کے بعد مجروح (مضروب) کے عضو کی پیوند کاری

پیوند کاری کی پہلی قسم:

فی الجملہ قصاص کے باب میں مقطوع عضو کی پیوند کاری کے عدم جواز پر مجموعی اعتبار سے تین دلیلیوں کو پیش کیا گیا ہے چنانچہ پیوند شدہ عضو کی نجاست اور طہارت کے بارے میں ہم نے گذشتہ مسئلے میں بحث کی ہے اور ہم نے ثابت کیا ہے کہ اس سے پیوند شدہ عضو مراد نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دلیل یکسر مسترد ہے۔

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے اگر ثابت بھی ہو تو اس کا پیوند کاری کی دوسری قسم میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ لہٰذا اجماع پیوند کاری کی پہلی قسم کو شامل نہیں ہے۔ اسحاق بن عمار کی روایت بالفرض اس کی سند صحیح بھی ہو تو وہ مجرم کے عضو کی پیوند کاری کے متعلق ہے نہ کہ مجروح اور مضروب سے متعلق۔

پیوند کاری کی دوسری قسم:

اس قسم میں اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر اجماع بھی ہے اور اسحاق بن عمار کی روایت بھی بطور دلیل موجود ہے۔ لیکن مذکورہ اجماع قابل استدلال واستناد نہیں ہے چونکہ بالفرض یہ ثابت بھی ہو تب بھی اس میں مدرک اور معیار کا احتمال ہے۔ البتہ مذکورہ روایت دو جہتیوں (سند اور دلالت) سے قابل تحقیق ہے۔ اس کے علاوہ بعض معاصر فقہاء نے مجرم کے عضو کی پیوند کاری کی ممنوعیت پر آیت قصاص سے بھی استدلال کیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت مذکورہ مطلب پر انہوں نے بطور دلیل پیش کی ہے:

''وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ'' (28)

ترجمہ: ''اور ہم نے توریت میں ان پر (یہ قانون) لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہیں اور زخموں کا بدلہ (ان کے برابر) لیا جائے، پھر جو قصاص کو معاف کردے تو یہ اس کے

لئے (گناہوں کا) کفارہ شمار ہوگا اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ ظالم ہیں۔''

اس آیت مجیدہ سے عدم جواز کے قائلین جیسے آیت اللہ محمود ہاشمی کا استدلال یہ ہے کہ دو مقطوع اعضاء (جرم کی بناء پر اور قصاص کی بناء پر) کے درمیان مقابلہ قطع اور جدائی کے باقی رہنے میں ہے لہٰذا مجرم مقطوع عضو کی پیوند کاری کا حق نہیں رکھتا (29) جواز کے قائلین کا استدلال یہ ہے کہ مذکورہ دو اعضاء کے درمیان مقابلہ قطع اور جدائی کے وقوع ہونے کے لحاظ سے ہے جبکہ مجروح مجرم کے عضو کو کاٹ کر اپنے حق کو استعمال کر چکا ہے لہٰذا اسے دوبارہ اس کے عضو کاٹنے کا حق نہیں ہے۔ (30)

لیکن حق کی بات یہ ہے کہ ان دونوں اعضاء کا آپس میں مقابلہ نہ تو کٹنے کے لحاظ سے ہے اور نہ ہی قطع کے باقی رہنے کے اعتبار سے بلکہ ان کا آپس میں موازنہ نقص و کمی اور جرم کے لحاظ سے ہے، کیونکہ عضو کو عضو کے مقابل قرار دیا گیا ہے اس لیے جتنا مجرم نے جرم کا ارتکاب کیا ہے، مجروح و مضروب کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے قصاص لے۔ یعنی اگر مجرم جس جرم اور ظلم کا مرتکب ہوا ہے وہ فقط حدوث قطع کے لحاظ سے ہے تو مجروح فقط اس کے عضو کو قطع کرنے کا حق رکھتا ہے اور مجرم کے مقطوع عضو کی پیوند کاری کو روکنے کا حق نہیں رکھتا اور اگر مجرم کا جرم اور ظلم قطع کی بقاء کے اعتبار سے ہے (یعنی مجروح کا عضو ہمیشہ کے لئے کٹ گیا ہے اور دوبارہ نہیں جڑ سکتا) تو اس صورت میں مجروح، مجرم کے عضو کو کاٹنے کے ساتھ اس کی پیوند کاری سے روکنے کا حق بھی رکھتا ہے کیونکہ آیت میں قطع کے واقع ہونے یا باقی رہنے کے پہلو کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ بطور مطلق بیان ہوا ہے لہٰذا دونوں جہتوں (حدوث اور بقاء) کو شامل ہے۔

اسحاق بن عمار کی روایت: اسحاق بن عمار نے جعفر سے اور اس نے اپنے باپ محمد بن حسن سے اور اس نے حسن بن موسیٰ خشاب سے اور اس نے غیث بن کلوب سے نقل کیا ہے کہ:

''ان رجلاً قطع من بعض اذن رجل شیئاً فرفع ذلك الی علی فاقاده، فاخذه الاخر ماقطع من اذنه فردہ علی اذنه بدمه فالتحمت وبرات فعاد الاخر الی علی فاستقاده، امر بها فقطعت ثانیة امر بها فدفنت وقال انما یکون القصاص من اجل الشین'' (31)

روایت کی سند: بعض بزرگ علماء جیسے ریاض کے مصنف اور امام خمینیؒ اس کی سند کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ ظاہراً اس کے ضعف کی وجہ غیاث بن کلوب ہیں جو کہ عامی ہیں اور اس کی توثیق نہیں کی گئی ہے۔

سند کی تصحیح:

فقہائے عظام نے اس روایت کے مطابق فتویٰ دیا ہے بس فقہاء کا اس پر عمل کرنا اس کی سند کے ضعف کو برطرف کردیتا ہے۔ لیکن ظاہر میں یہ نظر آتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہ ہو؛ کیونکہ قطع نظر اس کے کہ ''فقہاء کا عمل'' ایک معیار کا مسئلہ ہے، اس سے اصحاب کا عمل ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کسی روایت سے فتویٰ کی مطابقت سے اس پر عمل اور اس سے استدلال ثابت نہیں ہوتا۔

بالفرض روایت کی سند ضعیف ہو، شیخ صدوق نے اسی روایت کو ''المقنع'' (32) میں بطور مرسل نقل کرتے ہوئے قطعی طور پر اس کی سند کو معصوم تک پہنچایا ہے اور شیخ صدوق کی مراسیل اگر انہیں قطعی طور پر معصوم کی طرف منسوب کیا گیا ہو تو وہ حجت ہیں۔

روایت کا مدلول:

روایت میں مذکورہ سبب (تعلیل) یہ کہتی ہے کہ قصاص کی وجہ صرف وہ عیب اور نقص ہے جو مجروح میں پیدا ہوا ہے اور یہ عیب اور نقص مجرم کے ذریعے ہوا ہے یعنی مجروح کے بدن میں جو عیب یا نقص وجود میں آیا ہے اس کا سبب مجرم ہے اگر یہ فقط حدوث کے لحاظ سے ہے تو مجرم قصاص کے بعد اپنے عضو کو دوبارہ بدن سے جوڑنے کا حق رکھتا ہے لیکن اگر عیب اور نقص ہمیشہ کے لئے ہے تو اس وقت مجروح کی اجازت کے بغیر اسے عضو کی پیوند کاری کا حق حاصل نہیں ہے۔

تیسری قسم:

مجروح مجرم سے قصاص لینے کے بعد اپنے عضو کو دوبارہ اپنے جسم سے جوڑنے کا حق رکھتا ہے البتہ اس صورت میں وہ مجرم کو عضو کی پیوند کاری سے نہیں روک سکتا۔ کیونکہ مجروح کے عضو کی پیوند کاری سے معلوم یہ ہوا ہے کہ مجرم کا جرم فقط حدوث (واقع) ہونے کے لحاظ سے تھا جس کا مجروح نے قصاص لے لیا ہے۔

تیسری فصل

حدود کے اجراء کے بعد عضو کی پیوند کاری

اعضاء کی پیوند کاری کی ایک قسم اس عضو کی پیوند کاری ہے جس پر شرعی حد جاری کی گئی ہے۔ مثلاً کسی شخص کا ہاتھ یا پاؤں چوری یا محارب (دہشت گرد) ہونے کی بناء پر کاٹا گیا ہے کیا اس شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقطوع عضو کو دوبارہ بدن سے جوڑ لے یا نہیں؟

اقوال فقہاء:

متقدمین اور متأخرین فقہاء: اگرچہ گذشتہ علماء کی کتابوں میں اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں کی گئی۔ البتہ گذشتہ ادوار کے امامیہ اور شافعیہ فقہاء نے اعضاء کے قصاص کے مسئلے میں اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر مقطوع عضو کے نجس ہونے اور میتہ ہونے سے استدلال کیا ہے۔ اس بناپر یہ کہا جاسکتا ہے کی جس عضو پر حد جاری کی گئی ہے اس کی پیوند کاری کے متعلق بھی ان کا نظریہ عدم جواز ہے۔ لیکن وہ علماء جو مقطوع عضو کو پاک سمجھتے ہیں جس طرح حنبلی اور بعض حنفی فقہاء کا نظریہ ہے، ان کے حوالے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے نزدیک عضو محدود (جس پر حد جاری کی گئی ہو) کی پیوند کاری جائز ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ عضو محدود کی پیوند کاری کو جائز نہ سمجھتے ہوں۔ البتہ نجاست کی دلیل کی بناپر نہیں بلکہ دیگر دلائل کی روشنی میں۔

معاصر فقہاء: ہمارے دور کے علماء کی عام طور پر عدم جواز کی رائے ہے یعنی وہ چور کے ہاتھ کو اسی طرح مقطوع رہنے کا فتویٰ دیتے ہیں (33) یا یہ کہتے ہیں کہ احتیاط یہ ہے کہ چور کا ہاتھ مقطوع رہنا چاہیے۔ (34)

پیوند کاری کے ممنوع ہونے کے دلائل:

پہلی دلیل: چوری کی سزا والی آیت:

''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُواْ أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ'' (35)

ترجمہ: ''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کی کرتوت کے بدلے اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔''

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ مذکورہ آیت مجیدہ پیوندکاری کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ اس آیت میں صرف چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم آیا ہے اور اس کے مقطوع رہنے کی قید نہیں لگائی گئی (36) پس ہاتھ کاٹنے کے بعد مولیٰ کا حکم بجالایا گیا ہے اور ہاتھ کے مقطوع رہنے پر فتویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

یہ استدلال نامکمل ہے کیونکہ یہ بات درست ہے کہ آیت میں کاٹنے کے اثر کو باقی رکھنے کا حکم نہیں ہے بلکہ قطع کاامر آیاہے لیکن عرفی لحاظ سے حکم اور موضوع کی مناسبت سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فقط قطع کرنے کا حکم نہیں آیا ہے، بلکہ قطع کے اثر کا باقی رہنا یعنی ہاتھ کا مقطوع رہنا بھی حکم میں شامل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ''نکال '' کالفظ آیاہے جو قطع کامفعول لہ ہے یعنی ہاتھ کاٹنے کامقصد چور کو سزادینا ہےاور لوگ (عرف) عقاب اور ثواب سے دائمی ہونا سمجھتے ہیں۔ نہ فقط ایک بار واقع ہونے کو۔ جب تک شارع عرف کو غلط قرار نہ دے اور عرف کے برخلاف رائے کااظہار نہ کرے عرف کے فہم کی اتباع لازم ہے۔ کیونکہ شرعی احکامات کے مخاطبین عرف (عام لوگ) ہیں اور عرف اس کلام سے دائمی ہونا سمجھتا ہے پس چور کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنا کٹا ہوا ہاتھ دوبارہ جوڑلے۔

دوسری دلیل: روایات ہیں (37)

پیوند کاری کی ممانعت پر اس حوالے سے روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اگرچہ مطلب کی تائید کے لئے مناسب ہیں۔

جواز کے دلائل:

بعض فقہاء نے اس مسئلے کے جواز پر قاعدہ برائت کا سہارا لیا ہے (38) لیکن عدم جواز کی دلیل کی موجودگی میں قاعدے کی نوبت نہیں آتی۔ رہی اصبغ بن نباتہ کی روایت، جس کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے چور کے ہاتھ کو حد جاری کرنے کے بعد دوبارہ جوڑ کر اصلی حالت میں بدل دیا۔ (39) یہ روایت اگرچہ دلالت کے اعتبار سے مکمل ہے، لیکن سند کے لحاظ سے اس پر اعتراض ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ چور کے ہاتھ کی پیوند کاری جائز نہیں ہے۔

دوسرا حصہ: ایک شخص کے عضو کو دوسرے شخص کے بدن میں لگانا

فصل اوّل: کافر کے عضو کو مسلمان کے جسم میں پیوند لگانا۔

کافر اقسام

کافر ذمی: وہ کفار جن کا اسلامی حکومت سے ذمے کا معاہدہ ہے۔(40)

کافر عہدی: وہ کفار جنہوں نے اسلامی حکومت کے ساتھ صلح اور جنگ بندی کا معاہدہ کیا ہے۔(41)

کافر حربی: وہ کفار جن کا اسلامی حکومت سے مذکورہ کوئی بھی معاہدہ نہیں ہے یا انہوں نے معاہدے کو توڑ دیا ہے۔(42)

اقوال فقہاء:

شیعہ فقہاء: کافر کے بدن سے کسی عضو کو لے کر مسلمان کے بدن میں پیوند لگانا جائز ہے۔(43) اور اس کام کے لیے ان کی اجازت یا وصیت کی ضرورت نہیں ہے(44)

اہلسنت فقہاء: بعض اہلسنت کافر کے اعضاء لینے کو بالکل جائز نہیں سمجھتے(45) بعض دوسرے اس کے جواز کے قائل ہیں البتہ اس کی قیود اور شرائط کے بارے میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔(46)

عدم جواز کی ادلہ:

- قاعدہ "الضرر لایزال بالضرر" اور "الضرر لایزال بمثلہ"(47)
- وہ روایات جو حرام کے ذریعے علاج کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔(48)
- وہ روایات جو بالوں کے جوڑنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔(49)
- میت کے مثلہ کرنے کی حرمت(50)

جواز کے قائلین کے دلائل:

- فقہاء عامہ کے اس فتویٰ پر قیاس کہ مسلمان کی جان کی حفاظت کے لئے کافر کا گوشت کھانا جائز ہے۔(51)
- قاعدہ الزام(52)

❖ کافر کا احترام نہیں (53)

❖ قاعدہ اضطرار (54)

تحقیق:

عدم جواز کی ادلہ: پہلی دلیل کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ قاعدے کے بارے میں اور الفاظ بھی بیان ہوئے ہیں جو یہ ہیں۔ "الضرر لایزال بمثلہ" واضح ہے کہ جو ضرر اور نقصان مسلمان کو لاحق ہونے والا ہے وہ اس کی مثل نہیں ہے جو ضرر کافر کو لاحق ہوگا، کیونکہ ایک محترم اور محقوق الدم فرد کو پہنچنے والا ضرر ہے اور دوسرا غیر محترم یا جس کا احترام عرضی ہے اس کو پہنچنے والا ضرر ہے۔ وہ روایات جو حرام سے علاج معالجہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں وہ اکل وشرب (کھانے پینے) کے بارے میں ہیں اور زیر بحث مسئلہ کو شامل نہیں ہیں چنانچہ جب امام علیہ السلام سے علاج کی غرض سے نبیذ (کھجور سے بننے والی شراب) کے پینے کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لاولاجرعة۔۔۔۔'' (55) لفظ ''جرعہ'' پینے میں قوی ظہور رکھتا ہے۔

اسی طرح بالوں کے جوڑنے کی حرمت کا تعلق بھی تدلیس اور قوادہ سے ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً سعد بن اسکاف کا امام علیہ السلام سے سوال کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واصلہ اور مستوصلہ پر لعنت کی ہے۔ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

''ایسا نہیں ہے، بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے واسطہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے جو جوانی کے دنوں میں خود زنا کرواتی ہے اور بڑھاپے میں عورتوں کو زنا کے لئے مردوں تک پہنچاتی ہے۔'' (56)

جب امام علیہ السلام خود کسی لفظ کے ظاہری معنی کی تاویل فرمادیتے ہیں تو پھر اس بات کا امکان نہیں رہتا کہ روایت اپنے ظاہری معنی بال لگانے پر دلالت کرے۔ علاوہ ازیں بال لگانے کی حرمت سے زیر بحث مسئلہ کی حرمت میں استفادہ کرنے کا لازمہ قیاس ہے جس کا باطل ہونا انتہائی واضح ہے۔ مثلہ کے حرام ہونے پر دلالت کرنے والی روایات کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہ دلیل مدعیٰ سے اخص ہے یعنی فقط میت کے متعلق

ہے ثانیاً ہمارے زیر بحث مسئلے میں مثلہ صادق ہی نہیں آتا کیونکہ مثلہ کے معنی اور مفہوم میں مد مقابل کی تحقیر اور انتقام کا جذبہ پوشیدہ ہے جیسا کہ لغت (57) اور تاریخ کی کتب اس مطلب پر گواہی دیتی ہیں۔ وحشی غلام کے ذریعے آنحضرت ﷺ کے چچا کا سینہ چاک کرنا اسی قبیل سے ہے۔ (58)

جواز کے دلائل کی تحقیق:

اس بات کے علاوہ کہ قیاس باطل ہے، یہ قیاس، فتویٰ پر قیاس ہے نہ کہ حکم شرعی پر۔ جائز ہونے کی دیگر دلیلیں مکمل ہیں البتہ دائرے کار کے وسیع اور تنگ ہونے کے اعتبار سے آپس میں متفاوت ہیں۔

نتیجہ: کافر کے بدن کا عضو یا جزو حاصل کرنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ اعضاء بھی لئے جا سکتے ہیں جن پر زندگی کا دار ومدار ہوتا ہے۔ اس بارے میں اجازت اور وصیت کی ضرورت بھی نہیں ہے سوائے کافر ذمی اور جس سے معاہدہ ہوا ہے جب تک وہ ذمہ کے عہد پر قائم رہے۔ پس کافر کے بدن سے کوئی عضو لے کر مسلمان کے بدن سے پیوند لگانا جائز ہے مگر یہ کہ کوئی اور عذر درپیش ہو۔

فصل دوم: مسلمان کے عضو کی مسلمان کے بدن میں پیوند کاری

پہلا نکتہ زندہ مسلمان کے بدن سے کسی عضو کو کاٹنا:

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے اور سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مسلمان کے بدن سے کسی ایسے عضو کو کاٹنا جس پر اس کی زندگی کا دار ومدار ہے یعنی عضو لینے سے اس کی موت واقع ہو جائے گی، شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔ (59) اگرچہ عضو دینے والے نے اس کی اجازت کیوں نہ دی ہو کیونکہ نفس کشی ہر صورت میں حرام ہے اور اس میں اختیاری، اضطراری اور اکراہ کی حالت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ مسلمان کے بدن سے ان اعضاء کے کاٹنے کے متعلق بحث کی جا سکتی ہے جن پر انسان کی حیات کا دار ومدار نہیں ہے جیسے آنکھ، ایک گردہ، ہاتھ یا پاؤں وغیرہ کہ ان کا دوسرے مسلمان کے بدن سے پیوند کاری کرنا جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟

اقوال فقہاء:

شیعہ فقہاء: بعض شیعہ فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ مسلمان کے بدن کے اعضاء لینا مطلقاً جائز ہے (60) دیگر فقہاء اعضاء رئیسہ اور غیر رئیسہ میں تفصیل کے قائل ہیں (61) یعنی غیر رئیسہ اعضاء کو حاصل کرنا جائز ہے جبکہ اعضاء رئیسہ اگرچہ اس پر زندگی موقوف نہ بھی ہو تو اس کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

اہل سنت کے فقہاء: کچھ کا نظریہ ہے کہ مسلمان کے بدن سے اعضاء حاصل کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے (62) اس کے مقابلے میں بہت سارے علمائے اہل سنت مسلمان کے بدن سے اعضاء لینے کو جائز سمجھتے ہیں۔ (63)

عدم جواز کے قائلین کی ادلہ

- قاعدہ ''لاضرر ولا ضرار'' (64)
- مجبور کے لئے مسلمان کے گوشت کا کھانا حرام ہے اس سے قیاس (65)
- انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں (66)

جواز کے قائلین کے دلائل:

- ایثار کا ممدوح ہونا (67)
- انسان کا اپنے اعضاء پر حق رکھتا۔ (68)
- قاعدہ "الناس مسلطون علی اموالھم وانفسھم" (69)

تحقیق:

عدم جواز کے دلائل میں سے قاعدہ لاضرر استدلال پر پورا نہیں اُترتا، کیونکہ تحقیق کی بناء پر پہلے فقرے ''لاضرر'' (70) کا مفہوم حکم ضرری کی نفی ہے اور حکم ضرری کی نفی احکام الزامی (واجبات ومحرمات) سے مختص ہے اس کا تعلق ترخیصی احکام (مکروہات ومستحبات) سے نہیں ہے کیونکہ احکام ترخیص (اپنے بدن کے کسی عضو کو کاٹ کر پیوند کاری کے لئے دوسرے کو دینے کا جواز) سے جو ضرر وجود میں آتا ہے وہ شارع سے منسوب نہیں ہے کہ اس کی نفی کی جائے۔ دوسرے فقرے ''ولاضرار'' کا مطلب بھی غیر کو نقصان اور ضرر پہنچانے کی حرمت ہے (71) اب اگر کوئی خود اپنے

عضو کو بدن سے جدا کرتا ہے اور ضرورت مند کو دے دیتا ہے تو اُسے قبول کرنے میں کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔

دوسری دلیل قیاس ہے، جس کا جواب واضح ہے۔ رہی بات مسلمان کے گوشت کھانے کے حرام ہونے کی تو ممکن اس کی وجہ اس شخص کی عدم رضایت ہو۔ تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً مالک نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے لئے بدن میں کسی قسم کی دخل اندازی اور تصرف جائز نہیں ہے۔ ثانیاً وہ روایات جن میں مسلمانوں کو سوائے نفس کو ذلیل کرنے (72) کے باقی تمام اختیارات سونپے گئے ہیں، وہ دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے آپ پر ولایت (تصرف کا حق) رکھتے ہیں اگرچہ ان روایات سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور انسان کے اپنے بدن میں تصرف کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے ملکیت کا ثابت ہونا لازمی نہیں ہے۔

جہاں تک جواز کی ادلہ کا تعلق ہے اس میں ایثار کا ممدوح ہونا مدعی کی دلیل نہیں بن سکتا، اس سے زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان عام چیزوں اور امور مثلاً کھانے، پینے کی اشیاء وغیرہ میں انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دے۔

البتہ قاعدہ ''الناس مسلطون'' (73) جواز پر بھرپور دلالت کرتا ہے۔ یہ بات صرف مسلمانوں سے مخصوص ہے کفار کو شامل نہیں ہے، کیونکہ اس کی تائید کرنے والی ادلہ مومنین سے متعلق ہیں لہٰذا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی حفاظت کے لئے اپنے بدن کا عضو جدا کرکے دوسرے ضرورت مند کو عطا کر سکتا ہے۔

نتیجہ: مسلمان کے بدن سے عضو کا حاصل کرنا جائز ہے اس شرط کے ساتھ عضو کا لینا دینے والے کی موت کو موجب نہ بنے اور دینے والے نے اجازت بھی دی ہو۔

دوسرا نکتہ: مردہ مسلمان سے اعضاء حاصل کرنا:

فقہاء کے اقوال:

بہت سے شیعہ فقہاء مسلمان کی میت سے اعضاء حاصل کرنے کے جائز ہونے کے قائل ہیں اس شرط کے ساتھ کہ زندہ شخص کی زندگی کا دارومدار اس عضو پر ہو۔ بصورت دیگر اعضاء جدا کرنے والا گناہگار ہے اور اس پر دیت ادا کرنا ضروری ہے۔ (74)

بعض تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اگر زندہ شخص کی حیات اس عضو پر موقوف نہ ہو تب بھی مسلمان کی میت سے عضو حاصل کرنا جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ مردہ مسلمان نے اپنی زندگی میں اس کی وصیت کی ہو۔ (75)

اہل سنت کے علماء میں سے کچھ کا نظریہ یہ ہے کہ میت سے اعضاء کا لینا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ (76) لیکن بعض دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ اضطراری صورت میں جائز ہے اسی طرح اگر میت نے خود اس کی وصیت کی ہو یا میت کے ورثاء نے اجازت دی ہو تو پھر جائز ہے۔ (77)

عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

- وہ روایات جو میت کے احترام پر دلالت کرتی ہیں (78)
- وہ روایات جو میت کے مثلہ کرنے کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں (79)
- میت کے احکام میں رکاوٹ پیدا ہونا۔ (80)

جواز کے قائلین کے دلائل:

- قاعدہ تزاحم (81)
- وہ روایات جو ماں کے پیٹ چاک کرنے اور شکم مادر میں جنین کے ٹکڑے کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ (82)
- وہ روایات جو میت کے دانتوں کو لینے پر دلالت کرتی ہیں۔ (83)
- وہ روایات جو انسان اپنے امور کی سپردگی اور اس پر تسلط پر دلالت کرتی ہیں۔ (84)

تحقیق:

عدم جواز کے دلائل کے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ مسلمان کی میت کا احترام کوئی نیا احترام نہیں ہے، بلکہ یہ اسی احترام کا تسلسل ہے جس کا وہ اپنی زندگی میں حامل تھا، لہٰذا جس طرح وہ اپنی زندگی میں اپنے بدن کا حصہ کاٹنے کی اجازت دینے کا حق رکھتا تھا اسی طرح اپنی میت سے بھی کسی عضو کو جدا کرنے کی وصیت کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ٹکراؤ کی صورت میں مسلمان کی میت کا احترام مسلمان کی جان کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے۔ اس لیے مسلمان کی جان کی حفاظت کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح وہ روایات جو مسلمان میت کی مثلہ (لاش کے حصے بخرے کرنا) کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں ہمارے زیر بحث مسئلے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ احکام میت میں رکاوٹ اس وقت پیش آ سکتی ہے جب میت کے تقریباً تمام اعضاء کو جدا کر کے دوسروں کے ساتھ پیوند لگائیں۔

لیکن صرف دل یا گردے وغیرہ کو نکالنے سے کوئی رکاوٹ اور مانع پیش نہیں آتا۔ علاوہ ازیں جب شریعت کی نگاہ میں میت کے اعضاء کو حاصل کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے تو پھر اس کے لوازم کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

مسلمان کی میت سے اعضاء حاصل کرنے کے جواز کی جو ادلہ ہیں (قطع نظر اس کے بعض ادلہ متداخل ہوں) وہ مکمل اور پوری ہیں البتہ وسعت اور محدود ہونے کے اعتبار سے اور اجازت کی شرط یا شرط نہ ہونے کے لحاظ سے آپس میں فرق رکھتی ہیں۔

نتیجہ: مسلمان شخص کی میت سے پیوند کاری کے لئے اعضاء کو جدا کرنا جب کسی اور مسلمان کی جان اس پر موقوف ہو مطلق طور پر جائز ہے، لیکن جب مسلمان کی جان کا دار ومدار اس عضو پر نہ ہو تو پھر یہ وصیت کے ساتھ مشروط ہے۔

تیسری فصل: مسلمان کے اعضاء کافر کو لگانا

فقہاء کے اقوال: شیعہ فقہاء میں سے چند معاصر علماء (85) کے نزدیک مسلمان کے عضو کا کافر کو پیوند لگانا جائز ہے اور اس مسئلہ میں عضو لینے والے کا کافر ہونے سے کوئی محذور پیش نہیں آتا مثلاً آیت اللہ محمد مومن قمی لکھتے ہیں:

مسلمان میت کے عضو کو کافر کے بدن سے پیوند لگانے میں کوئی ہرج نہیں ہے جبکہ تمام شرائط کا خیال رکھا جائے یعنی عضو کا عطیہ دینا مسلمان کی رضا و رغبت سے انجام پایا ہے جس طرح اگر لینے والا مسلمان ہوتا تو اس کے لئے جائز تھا اسی طرح اگر کافر ہو تو بھی جائز ہے۔ (86)

اہل سنت علماء میں سے جو مسلمان کے اعضاء کی مسلمان میں پیوند کاری کو جائز سمجھتے ہیں وہ مسلمان کے عضو کی کافر کے بدن میں اس شرط کے ساتھ پیوند کاری کو جائز سمجھتے ہیں کہ وہ کافر حربی نہ ہو۔ (87)

ممنوع ہونے کے دلائل:

- آیت نفی سبیل (88)
- وہ روایات جو اسلام کی سربلندی اور برتری پر دلالت کرتی ہیں۔ (89)
- کافر ذمی کی پاسداری کا ذاتی اور اصلی نہ ہونا (90)

جواز کے دلائل:

- کافر ذمی اور معاہد کا احترام اور پاسداری۔ (91)
- انسان کے اعضاء اس کی مال کی طرح ہیں۔ (92)
- مومنین کا اپنے نفوس پر ولایت رکھنا اور امور کا تفویض ہونے کی ادلہ۔ (93)

تحقیق:

عدم جواز کے دلائل میں سے آیت نفی سبیل سے استدلال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم حکمرانی کے حکم کی نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شارع (اللہ تعالیٰ) نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس کی بناء پر کفار مسلمانوں پر مسلط ہوں اور حکمرانی کریں اور قاعدہ ''لاضرر'' کی طرح اس آیت میں بھی حکم کی نفی الزامی (واجب یا حرام) احکام سے مخصوص ہے، کیونکہ سلطنت اور حکمرانی الزامی (واجب) امور اور احکام سے ہے جو شارع سے متعلق ہے لہٰذا مسلمان کا کافر کو اعضاء عطیہ کرنے کا جواز اگر تو اس کے مسلط ہونے کا باعث بنے بھی تو شارع سے مربوط نہیں ہے جب اس کا تعلق شارع سے نہیں تو نفی سبیل اور نفی تسلط والی آیت اس مسئلہ کو شامل نہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ مسلمان کے اعضاء میں سے کافر کو کوئی عضو عطا کرنے سے کافر اس مسلمان پر مسلط نہیں ہو جائے گا بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کا تسلط اس عضو پر ہوگا جو اس نے مسلمان سے حاصل کیا ہے۔

اسلام کی بلندی اور برتری والی روایت کی سند کو بعض شیعہ فقہاء نے مرسلہ (94) ہونے کی بناء اور بعض اہل سنت علماء نے حسان بن ثابت (95) کی وجہ سے ضعیف شمار کیا ہے، لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ اس روایت کی سند صحیح ہے کیونکہ یہ روایت مراسیل کی اس قسم میں سے ہے جو قطعی طور پر معصوم سے نقل ہوئی ہے۔ (96) البتہ اس روایت کا مدلول آیت نفی سبیل کے مدلول کی طرح ہے لہٰذا یہ روایت بھی اپنے مدعیٰ پر دلالت نہیں کرتی۔

جواز کی دلیلیں: ذمی اور جس سے معاہدہ ہوا ہے اس کافر کے محترم ہونے کے حوالے سے ہمارا کہنا یہ ہے کہ اگرچہ اس قسم کے کافروں کا احترام بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے اور اس جہت سے کافر اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لیکن پھر بھی مسلمان کی حرمت کافر کی حرمت (احترام) کی طرح نہیں ہے کیونکہ کافر ذمی اور معاہدے والے کافر کی حرمت (احترام) کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان انہیں کچھ کہنے کے حقدار نہیں ہیں ان کی جان اور مال محفوظ ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ وہ ان کی ہر بلا اور مصیبت سے حفاظت کریں خواہ وہ قدرتی آفات ہوں یا اس کا سبب وہ خود ہوں۔ بالخصوص جب ان کی حفاظت سے مسلمان کی توہین ہوتی ہو۔

اعضاء کا انسان کا مال شمار ہونا جب تک وہ بدن سے جدا نہ ہوں، مشکل ہے لہٰذا اس ذریعے سے بھی کافر کو اعضاء عطیہ کرنے کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا صرف ایک دلیل اعضاء کو عطیہ کرنے کو جائز ثابت کرتی ہے وہ مومنین کا اپنے آپ پر تسلط اور امور کا ان کے اپنے سپرد ہونا ہے۔

نتیجہ: مسلمان کے اعضاء کو کافر کے بدن سے پیوند کاری کے لئے عطیہ کرنا جائز ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ کلینی، کافی، ج1، ص58، باب البدع والرای...، از کتاب فضل العلم

2۔ شیخ طوسی، الخلاف، ج5، ص201؛ المبسوط، ج7، ص92؛ ابن ادریس حلی، السرائر، ج3، ص405؛ شہید ثانی، مسالک الافہام، ج15، ص2

3۔ قاضی بن براج، المہذب، ج2، ص480

4۔ شافعی، کتاب الام، ج1، ص71

5۔ محی الدین نووی، المجموع، ج3، ص139

6۔ خطاب رعینی، المواہب الجلیل، ج1، ص142و172؛ ابوالبرکات، الشرح الکبیر، ج1، صص53. و 54 و63؛ دسوقی، حاشیۃ الدسوقی، ج1، ص5

7۔ قرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج6، ص199

8۔ سرخسی، المبسوط، ج1، ص203؛ ابوبکر کاسانی، بدائع الصنائع، ج1، ص63

9۔ حصکفی، در المختار، ج1، ص224

10۔ ابن نجیم مصری، بحر الرائق، ج1، ص192

11۔ تفسیر قرطبیؒ، ج6، ص199؛ ابن قدامۃ، المغنی، ج1، ص729؛ بیہوتی، کشاف القناع، ج1، ص350؛ ابن رجب، قواعد، ج1، ص313

12۔ برہان الدین سنبہلی، «حکم الشریعۃ الاسلامیۃ...»، مجلّہ البحوث الاسلامیہ، ش2، ج22، 1407.ق

13۔ محمد حسن نجفی، جواہر الکلام، ج42، ص366؛ ابوالقاسم خوئی، مبانی تکملۃ المنہاج، ج2، ص162؛ ناصر مکارم شیرازی، بحوث فقھیۃ ھامۃ، ص332؛ احمد گزنی، حکم نقل وغرس. الاعضاء، ص15

14۔ امام خمینی، تحریر الوسیلۃ، ج2، ص544

15۔ وسائل الشیعۃ، ج4، ص345، باب2، از ابواب لباس مصلی، ح1و7

16۔ عبدالرحمٰن فقیہی، مقالہ «بیع الاعضاء الانسانی»، مجموعہ آثار... امام خمینی، مسائل مستحدثہ1، ص367

17۔ شیخ حر عاملی، وسائل الشیعۃ، ج4، ص345، ح4

18۔ قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج1، ص50؛ بیاضی، الصراط المستقیم، ج1، ص52؛ واقدی، المغازی، ج1، ص83

19۔ وسائل الشیعۃ، ج4، ص345، ح1 و2

20۔ شیخ مفید، المقنعۃ، ص761؛ ابوصلاح حلبی، الکافی فی الفقہ، ص388؛ شیخ طوسی، المبسوط، ج7، ص92؛ قاضی بن براج، جواہر الفقہ، ص216؛ ابن ادریس حلی، السرائر، ج3، ص405؛ ، علامہ حلی، قواعد، ص639

21۔علامہ حلی، تحریر الاحکام، ج2، ص258

22۔ تحریر الوسیلۃ، ج2، ص544

23۔ مبانی تکملۃ المنہاج، ج2، ص162

24۔کتاب الام، ج6، ص56؛نووی، روضۃ الطالبین، ج7، ص70

25۔کشاف القناع، ج1، ص350؛ المغنی، ج9، ص423؛ تفسیر قرطبی، ج6، ص199

26۔ وسائل الشیعۃ، ج29، ص185 ، باب23 ،از ابواب قصاص الطرف، ح1

27۔ تحریر الوسیلۃ، ج2، ص545؛ حسین حبیبی، مرگ مغزی و پیوند اعضاء...، ص88

28۔مائدہ، آیت45

29۔ سید محمود ہاشمی، «پیوند عضو پس از قصاص»، ص19 - 18 ،مجلّہ فقہ اہلبیت(ع)، ش16. زمستان 1377

30۔ ایضاً

31۔ وسائل الشیعۃ، ج29، ص185 ، باب23 ،از ابواب قصاص الطرف، ح1

32۔ شیخ صدوق، المقنع، ص518

33۔ محمد مؤمن قمی، کلمات سدیدۃ فی مسائل جدیدۃ، ص193

34۔ سید عبدالاعلی سبزواری، مہذب الاحکام، ج28 ،ص104؛ محسن خرازی، «زراعۃ الاعضاء»، عربی)، ص63 ،ش21 ،1422ق

(مجلہ فقہ اہل بیت)

35۔مائدہ، آیت38

36۔ عربی)، ص63) ،مہذب الاحکام، ج28، ص104؛ «زراعۃ الاعضاء»، مجلّہ فقہ اہل بیت .38 . ش21

37۔ وسائل الشیعۃ، ج28، ص258 ، باب5 ،از ابواب حد سرقت، ح1

38۔مہذب الاحکام، ج28، ص193

39۔ محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج40، ص282 - 281

40۔ تحریر الوسیلۃ، ج2، ص507 - 497؛ المغنی، ج10 ، ص520

41۔ شیخ طوسی، المبسوط، ج2، ص58؛ شیخ سید سابق، فقہ السنۃ، ج2، ص659

42۔ حسینی خامنہ ای، قرارداد ترک مخاصمہ و آتش بس؛ روضۃ الطالبین، ج7، ص471

43۔امام خمینی، تحریر الوسیلۃ، ج2، ص624؛ ابوالقاسم خویی، منہاج الصالحین، ج1، ص427

44۔ کلمات سدیدۃ فی مسائل جدیدۃ، ص176

45۔ حکم الشریعۃ الاسلامیۃ...»، مجلّہ البحوث الاسلامیہ، ش2، ج22، 1407ق

46۔ محمد رمضان بوطی، قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص119

47۔ حکم الشریعۃ الاسلامیۃ...»، مجلّہ البحوث الاسلامیۃ، ش2، ج22، 1407ق

48۔اشعث سجستانی، سنن ابن داود، ج2، ص223

49۔نووی، صحیح مسلم بشرح نووی، ج14، ص102

50۔نورالدین ہیثمی، مجمع الزواید، ج6، ص249

51۔ قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص119

52۔ محمد قائینی، المبسوط...، ج1، ص142

53۔ کلمات سدیدۃ فی مسائل جدیدۃ، ص176

54۔ محمد قائینی، المبسوط...، ج1، ص141

55۔ وسائل الشیعۃ، ج25، ص343، باب20، از ابواب اشربۃ المحرمۃ، ح1

56۔ ایضاً، ج17، ص133، باب19، از ابواب ما یکتسب بہ، ح3

57۔ابن منظور، لسان العرب، ج11، ص615؛ راغب اصفہانی، مفردات الفاظ قرآن، ص463

58۔یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج1، ص47؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج4، ص42

59۔ کلمات سدیدۃ...، ص166؛ قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص118

60۔ کلمات سدیدۃ...، ص166

61۔ منہاج الصالحین، ج1، ص426

62۔ عبدالفتاح محمود ادریس، حکم التداوی...، ص137؛ عبدالسلام سکری، نقل وزراعۃ الاعضاء. ص134

63۔ قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص118؛ حکم نقل و غرس الاعضاء، ص46

64۔ عربی)، ص62، ش20، 1421قG (زراعۃ الاعضاء»، مجلّہ فقہ اہل بیت«

65۔ حکم التداوی...، ص137

66۔ نقل وزراعۃ الاعضاء، ص134

67۔ عبداللہ بسام، زراعۃ الاعضاء الانسانیۃ، ص13؛ قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص118

68۔یوسف قرضاوی، «رای فی موضوع زرع الاعضاء»، مجلّہ الفکر الاسلامی، ص16 - 12. ش18، جمادی الاولی1

69۔ کلمات سدیدۃ...، ص164 - 163

70۔ کلینی، کافی، ج5، ص292؛ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج5، ص327

71۔ ابوالقاسم خوئی، موسوعۃ الامام الخوئی، مصباح الاصول، ج40، ص616 - 608

72۔ وسائل الشیعۃ، ج16، ص156، باب12 ،از ابواب امر و نہی، ح1 و2 و3

73۔ ایضاً

74۔ تحریر الوسیلۃ، ج2، ص624؛ منہاج الصالحین، ج1، ص426

75۔ حسینی خامنہ ای، اجوبۃ الاستفتائات، ج2، ص76

76۔ نقل وزراعۃ الاعضاء، ص216

77۔ حکم التداوی...، ص142

78۔ وسائل الشیعۃ، ج12، ص265، باب142 ،از ابواب احکام العشرہ، ح12 - 1

79۔ ایضاً، ج15، ص58

80۔ حکم الشریعۃ الاسلامیۃ، ص270

81۔ عبیداللہ اسدی، «زرع الاعضاء الانسانیۃ»، ص255 ،مجلۃ البحث الاسلامی، ش3 ،1409ق

82۔ وسائل الشیعۃ، ج2، ص471، باب46 ،از ابواب الاحتضار، ح5

83۔ شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج1، ص73

84۔ وسائل الشیعۃ، ج16، ص156، باب12 ،از ابواب امر و نہی، ح1 و2 و3

85۔ بحوث فقهية هامة، ص335

86۔ کلمات سدیدۃ...، ص177

87۔ قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص124؛ «رای فی موضوع زرع الاعضاء»، مجلّہ الفکر الاسلامی، ص18 ، ش18 ، جمادی الاولی1410

88۔ نساء، آیہ141

89۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج4، ص334، باب میراث اہل الملل؛ محمد اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج2، ص96

90۔ مسالک الافہام، ج12، ص125

91۔ ایضاً

92۔ رای فی موضوع زرع الاعضاء»، مجلّہ الفکر الاسلامی، ص18 ، ش18 ، جمادی». الاولی1410

93۔ وسائل الشیعۃ، ج29 ،ص356 ، باب48 ،از ابواب دیات الاعضاء، ح1 و ج16 ،ص156 . باب12 ،از ابواب امر و نہی، ح1 و 2و3

94۔ محمد کاظم مصطفوی، مئۃ قاعدۃ فقہیۃ، ص294

95۔ محی الدین نووی، المجموع، ج19 ،ص441

96۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج4 ،ص334 ، باب میراث اہل الملل روایت قصاص پیوند عضو بدن

کتاب شناسی

مقتل کی چند اہم کتابیں

سید رمیز الحسن موسوی*

مقدمہ

تاریخ اسلام میں مقتل نگاری ایک ایسی صنف تالیف ہے کہ جس میں کسی ایک شخص یا گروہ کی موت اور قتل ہونے کے بارے میں واقعات وحالات کو تحریر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی تاریخ نگاری کو تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ لکھا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا تاریخی موضوع ہے کہ جس پر بہت سے موئرخین نے توجہ دی ہے۔ مثلاً مقتل عمر بن خطاب، مقتل عثمان بن عفان، مقتل علی بن ابی طالبؑ، مقتل حجر بن عدی، مقتل حسین بن علیؑ وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ''مقتل حسین بن علیؑ'' نے موئرخین کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ہے، کیونکہ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کی میدان کربلا میں شہادت سے پوری تاریخ اسلام پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور موئرخین نے اس دردناک واقعے کو تاریخ مسلمین کے اہم موڑ کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

معروف کتاب شناس آقا بزرگ تہرانی نے ''الذریعہ'' کی جلد ۲۰ میں تقریباً ۶۰ مقتل کی کتابوں کا تعارف کرایا ہے جن میں سے آدھی سے زیادہ کا تعلق امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت سے ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں لکھی گئی اکثر قدیم کتب مقاتل دسترس میں نہیں ہیں۔ مثلاً ''مقتل ابی عبداللہ'' از اصبغ بن نباتہ، ''مقتل الحسینؑ'' جابر بن یزید جعفی، ''مقتل الحسینؑ'' ہشام بن محمد بن سائب کلبی، ''مقتل ابی عبداللہؑ'' محمد بن عمر واقدی، ''مقتل الحسینؑ'' محمد بن حسن طوسی اور ''مقتل ابی عبداللہؑ'' از نصر بن مزاحم وغیرہ مفقود ہو چکی ہیں۔

---

*۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت) بارہ کہو، اسلام آباد

بظاہر دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے بہت سے موٴرخین نے واقعہ کربلا کے دردناک واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ واقعہ کربلا کے متعلق مقتل نگاری کا یہ سلسلہ ابو مخنف کی کتاب ''مقتل الحسینؑ'' کے لکھے جانے کے بعد تک جاری رہا ہے۔ لہٰذا بعد کے بہت سے موٴرخین نے اسی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے واقعہ کربلا کی تاریخ لکھی ہے اور امام عالی مقام علیہ السلام اور آپ کے جان نثاروں کے مصائب کو ذکر کیا ہے۔

یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور پھر قاجاری سلطنت کے بعد مقتل نویسی کے اس سلسلے میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اس دور کے مقاتل میں تو تاریخی واقعات کو اہمیت دی گئی اور نہ ہی ادبی نکات کا خیال رکھا گیا بلکہ ان کتابوں میں فقط عوام الناس کے احساسات اور جذبات کو اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں معروف معاصر موٴرخ اور محقق جناب رسول جعفریان لکھتے ہیں:

''افسوس کے ساتھ (قاجاری سلسلہ حکومت کے) اس دور میں تاریخی دقت نظر نہیں ملتی اور نہ ہی دقیق تاریخی مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس دور میں لکھی گئی کتب مقاتل میں بصیرت کے لحاظ سے جو چیز ملتی ہے وہ فقط اس واقعہ کو غم واندوہ اور گریہ ومصائب کی نظر سے دیکھنا ہے اور تاریخی متن پیش کرنے سے زیادہ غم وحزن پیدا کرنے والا متن پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ ''روضہ خوانی'' (مجلس عزا) کے لئے مواد مہیا کیا جاسکے۔ ان میں سے اکثر کتب مجالس عزا کے لئے تالیف کی گئی ہیں جن کا اصلی مقصد گریہ ومصائب کے لئے میدان فراہم کرنا تھا''۔ (1)

اس کے بعد رسول جعفریان نے دورۂ قاجار میں لکھی جانے کتب مقتل کی طولانی فہرست دی ہے۔اس کے بعد موجودہ دور میں واقعہ کربلا کے بارے میں کچھ ایسی کتب مقتل لکھی گئی ہیں کہ جن میں تاریخی متن کو اہمیت دی گئی ہے اور غیر حقیقی واقعات سے پرہیز کیا گیا ہے اور واقعہ کربلا کو خرافات وافسانہ نگاری جیسی آفت سے محفوظ رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ خصوصاً انقلاب اسلامی ایران کے بعد امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور واقعہ کربلا کو ظلم وستم کے خلاف ایک ایسی تحریک کے طور پر پیش کئے جانے کا رجحان بڑھا ہے کہ جس میں موجودہ زمانے کی یزیدیت اور طاغوتوں کے خلاف عاشوراور کربلا کو بطور اُسوہ اور نمونہ عمل پیش کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام خمینیؒ کی اسلامی وانقلابی تحریک میں کربلا وعاشورا کو اسی نقطہ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اس دور میں ڈاکٹر ابراہیم آیتی مرحوم اور آیت اللہ مطہری شہید جیسے مفکرین نے واقعہ کربلا اور

مصائب امام حسینؑ کو اسی نظر سے پیش کیا ہے۔ اس مختصر مقالے میں تعارف کے لئے مقتل کی چند ایسی قدیم کتابوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں جہاں تاریخی متن کو بھی اہمیت دی گئی ہے اور کربلا کے نمونۂ عمل کردار کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔اسی طرح واقعات کربلا کو احساسات سے بالاتر ہو کر اور افسانوی رنگ سے نکال کر پوری امانت داری کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

"وقعه الطف المعروف مقتل ابی مخنف"

تالیف: ابی مخنف لوط بن یحییٰ الازدی، تحقیق: یوسفی غروری

وقعہ الطف یا مقتل ابی مخنف کا شمار مقتل نگاری کی اہم ترین کتب میں ہوتا ہے اور واقعہ کربلا کے بارے میں تحقیق و مطالعہ کرنے والوں کی سب سے پہلے نظر اسی کتاب پر پڑتی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف لوط بن یحییٰ بن سعید بن سلیم ازدی المعروف ابی مخنف (متوفی ۱۷۵ھ) ہیں۔ جو اسلام کے مشہور مؤرخین میں سے ہیں۔ ان کی توثیق تمام علمائے رجال اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابہ نے کی ہے۔ ابو مخنف ایک شیعہ مؤرخ تھے اور ان کا شمار امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا تھا، انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایات بھی نقل کی ہیں۔ وہ کوفہ کے ایک شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور اُن کے والد کا شمار کوفہ کے بزرگان میں ہوتا تھا۔اُن کے دادا مخنف بن سلیم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے اور حضرت امام علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ جمل و صفین میں بھی شریک رہے ہیں۔ اُن کے والد یحییٰ بن سعید بھی امام علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔(2)

شیخ نجاشی ان کے بارے میں کہتے ہیں:

> "شيخ أصحاب الأخبار بالكوفة ووجههم وكان يسكن إلى ما يرويه" ترجمہ: "ابو مخنف کوفہ میں مؤرخین کے استاد ہیں اور سب کے لئے مورد اعتماد ہیں۔انہوں نے کئی کتب لکھیں جن میں سب سے مشہور "مقتل الحسین" ہے، یہ ابتدائی معتبر مقاتل میں سے ہے۔" (3)

ابی مخنف کی بہت سی تالیفات ہیں، لیکن اُن میں سے کوئی بھی کتاب اس وقت دسترس میں نہیں ہے۔ اُن کتابوں میں سے ایک کتاب "مقتل الحسینؑ" کے نام سے مشہور ہے، جو امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور قیام کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی ابی مخنف کی دوسری کتب کی طرح ابھی دسترس میں

نہیں، لیکن قدیم موٴرخین منجملہ ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کے پاس یہ کتاب موجود تھی اور طبری نے اپنی تاریخ میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور قیام کے بارے میں اکثر روایات اسی کتاب سے نقل کی ہیں۔

طبری نے ''مقتل الحسین'' ابی مخنف سے جو کچھ نقل کیا ہے، اسے چند سال پہلے ممتاز محقق یوسفی غروری نے استخراج کرکے مفید حواشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں محقق یوسفی غروری نے طبری کی روایات کا شیخ مفیدؒ کی کتاب ''الارشاد'' میں منقول روایات سے موازنہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس مصحح نے اس کتاب میں شخصیات کے بارے میں مفید وضاحت کی ہے اور مشکل لغات اور واقعات کی شرح پیش کی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ مقتل ابی مخنف نہیں، بلکہ اس کا کچھ حصہ ہے کہ جسے طبری نے نقل کیا ہے۔

یہ ''مقتل ابی مخنف'' کہ جو طبری کے پاس تھا، شہادت وقیام امام حسین علیہ السلام کے بارے میں قدیم ترین ومعتبر ترین تاریخی منابع میں شمار ہوتا ہے اور علمائے تاریخ کے نزدیک بنیادی منبع سمجھا جاتا ہے۔

ایک اور کتاب ''مقتل ابی مخنف'' کے نام سے مشہور ہے اور عام دسترس میں ہے، جس کے بہت سے ایڈیشن بمبئی، بغداد، نجف اور ایران میں شائع ہو چکے ہیں اور ناصر الدین شاہ کے دور (۱۲۸۶ھ) میں مقتل کی یہی کتاب ''بحار الانوار'' کی دسویں جلد کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کا نہ تو مولف کسی کو معلوم ہے اور نہ ہی تاریخ تالیف سے کوئی آگاہ ہے۔ لیکن ایک بات مسلّم ہے کہ یہ کتاب پہلی صدی ہجری کے مشہور موٴرخ لوط بن یحییٰ المعروف ابی مخنف کی تالیف نہیں ہے کیونکہ اس کے مضامین اور تاریخ طبری میں نقل ہونے والے مقتل ابی مخنف کے مضامین میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس کے علاوہ اس میں جو جھوٹی روایات نقل ہوئی ہیں، اُن کی وجہ سے بھی اس کا معتبر ہونا بہت زیادہ مشکل ہے۔ مشہور محدث ''علامہ حسین نوری طبرسی'' اس جعلی مقتل ابی مخنف کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا شمار سیرت وتاریخ کے بزرگ اور معتمد محدثین میں ہوتا ہے اور اُن کا مقتل زمانہ قدیم سے اُن کی تمام کتابوں میں ممتاز تھا، لیکن افسوس کے ساتھ اُن کا اصلی مقتل ابھی دسترس میں نہیں ہے اور یہ موجودہ ''مقتل ابی مخنف'' کہ جس کو اُن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بعض ایسی غلط اور اصول مذہب کے خلاف باتوں پر مشتمل ہے کہ جن کو چند عام اور جاہل افراد نے اپنی فاسد اغراض کی خاطر اس کتاب میں داخل کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ غیر

معتبر اور نا قابل اعتماد بن چکا ہے اور اس کی منفردات پر کسی قسم کا وثوق نہیں ہے کیوں اس مقتل میں کمی پیشی واضح نظر آتی ہے۔۔۔ بہر حال موجود زمانے میں اس مقتل کے مختلف نسخے کم وزیادہ دیکھے گئے ہیں۔ (4)

مرحوم شیخ عباس قمیؒ "نفس المہموم" کی ابتدا میں لکھتے ہیں: "لوط بن یحییٰ ابو مخنف متوفی ۱۵۷ ہجری، ایک معتبر مؤرخ ہے اور اس کی کتاب مقتل الحسین بھی علماء کے نزدیک معتبر اور مورد اعتماد ہے۔ لیکن یہ مقتل جو آج ہمارے ہاتھ میں ہے اور اس کی نسبت ابو مخنف سے دی جاتی ہے، یہ مورد اعتماد ابو مخنف کی نہیں اور نہ کسی اور معتبر مؤرخ کی تصنیف ہے۔" (5)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: جو کچھ فقط اسی ابی مخنف سے منسوب مقتل میں آیا ہے اور کسی دوسری کتاب میں نہیں نقل ہوا، وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ (6)

علامہ سید شرف الدین عاملی ابی مخنف سے منسوب اس مقتل کی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ مقتل کی کتاب کہ جو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں گھوم رہی ہے اور ابی مخنف کے ساتھ منسوب ہے، ایسی داستانوں پر مشتمل ہے کہ جن سے خود مخنف ہرگز آگاہ نہیں تھے اور یہ جھوٹے قصے کہانیاں ابی مخنف کے ساتھ منسوب کردی گئی ہیں۔ (7)

ممتاز محقق صالحیی نجف آبادی لکھتے ہیں کہ "ہم نے اس مقتل، جس کو ابو مخنف سے منسوب کیا جاتا ہے، کا موازنہ تاریخ طبری سے کیا، اور ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق پایا۔ یہ جعلی مقتل کافی عرصہ پہلے فارسی میں ترجمے کے ساتھ چھپی ہے، جس کے شروع میں مترجم ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے حالات کو بھی لکھا گیا ہے جس سے یہ لگتا ہے کہ واقعی یہ ابو مخنف کی مقتل ہے۔ جب یہ مقتل عام عوام کے ہاتھ میں پہنچتی ہے اور اہل منبر کہ جو روایات پڑھنے میں کسی قسم کا تدبّر نہیں کرتے، ان کے لئے یہ نعمت سے کم نہیں اور وہ اس میں سے مطالب لے کر عوام میں شائع کرتے ہیں اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ جعلی مقتل اردو میں بھی ترجمہ ہو چکی ہے جس کے شروع میں مترجم نے ٹائٹل پر لکھا ہے "قدیم ترین مقتل کی کتاب۔"

قابل ذکر بات یہ کہ فاضل دربندی نے "اسرار الشہادہ" میں اور سپہر نے "ناسخ التواریخ" میں اسی جعلی مقتل پر کافی انحصار کیا ہے۔ اسی لئے ان دونوں کتب میں جعلی مصائب و مقاتل بہت زیادہ ملتے ہیں۔

البتہ ابو مخنف کی روایات میں وہی معتبر ہیں جو تاریخ طبری سمیت دیگر قدیم تواریخ میں موجود ہے، اور اس وقت جو کتاب ابی مخنف کے ساتھ منسوب ہے وہ قابل اعتماد نہیں، لیکن طبری سے منقول مقتل ابی مخنف کہ جو گزشتہ سالوں کے دوران تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، وہ قابل اعتماد ہے اور ہمارے مد نظر بھی یہ کتاب ہے۔

نفس المهموم فی مصیبة سیدنا الحسین المظلوم علیہ السلام

تالیف : شیخ عباس قمیؒ

عباس بن محمد رضا قمی (۱۲۹۴-۱۳۵۹ھ) المعروف شیخ عباس قمی چودھویں صدی ہجری کے شیعہ علما اور محدثین میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں، جو محدث قمی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ اُنھوں نے بہت سے علوم وفنون میں کتابیں تالیف کی ہیں جن میں حدیث، تاریخ وسیرت اور ادعیہ میں اُن کی کتب مشہور ہیں۔ وہ ادعیہ اور زیارات کی مشہور زمانہ کتاب ''مفاتیح الجنان'' کے مؤلف ہیں۔ اسی طرح حدیث میں سفینۃ البحار اور سیرت وتاریخ میں منتہی الامال بھی اُن کی مشہور کتابیں ہیں۔ مقتل میں بھی اُن کی تالیف '' **نفس المهموم فی مصیبة سیدنا الحسین المظلوم** '' اپنے موضوع پر جانی پہچانی کتاب ہے جو واقعہ کربلا کے حوالے سے ایک مستند ومعتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اُن کی وفات ۱۳۵۹ ھ میں نجف اشرف میں ہوئی اور حرم امیر المؤمنین کے صحن میں دفن ہوئے ہیں۔

شیخ عباس قمیؒ '' **نفس المهموم** '' کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میں عرصے سے اپنے آقا ومولا امام حسین علیہ السلام کے مقتل کے بارے میں ایک مختصر کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا تاکہ جس پر مجھے اعتماد ہے اور ثقات سے جو کچھ مجھ تک پہنچا ہے اور روایات کا سلسلہ سند جن راویوں تک پہنچتا ہے، اُسے مرتب کروں۔ لیکن ہمیشہ بعض رکاوٹیں اور مصروفیات میرا یہ مقصد کو پورا کرنے میں رکاوٹ بنتی تھیں۔ یہاں تک کہ میں زیارت امام رضا علیہ السلام سے مشرف ہوا اور آپؑ کے روضہ شریفہ پر جا کر میں نے دعا کی تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب کرے اور میری یہ آرزو پوری ہو کیونکہ اس آرزو کا پورا ہونا میری تمام آرزؤں کے پورے ہونے کے برابر تھا۔ (8)

اس کتاب کا نام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے لیا گیا ہے کہ جس میں آپؑ نے فرمایا ہے:

"نفس المهموم لظلمنا تسبيح و همّه لنا عبادة و كتمان سرّنا جهاد في سبيل الله" (9)

ترجمہ: "جو شخص ہماری مظلومیت کی خاطر غمگین ہو، اُس کا نفس (سانس) لینا تسبیح ہے، ہمارے اوپر غمگین ہونا عبادت ہے اور ہمارا راز چھپانا راہ خدا میں جہاد ہے۔"

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس حدیث کو سونے کے پانی سے لکھنا واجب ہے۔ چونکہ شیخ عباس قمی کی یہ کتاب اہل بیت اطہار علیہم السلام کے مصائب کی یاد دلاتی ہے، لہٰذا اس کتاب کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

نفس المہموم کے مضامین

"نفس المہموم" پانچ ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے متعلق ہے جس میں بالترتیب امام علیہ السلام کی شجاعت، علم، فصاحت، زہد، تواضع اور عبادت کو ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں امام علیہ السلام کی عزاء میں گریہ کرنے اور اُن کے قاتلوں پر لعنت کا ثواب ذکر ہوا ہے۔

دوسرے باب میں یزید بن معاویہ کے ساتھ لوگوں کی بیعت سے لے کر امام عالی مقامؑ کی شہادت تک کے واقعات ذکر ہوئے ہیں۔ یہ باب نفس المہموم کا سب سے مفصل باب ہے جس کی ۲۰ فصلیں ہیں۔ اس باب میں واقعہ کربلا سے پہلے رشید ہجری، حجر بن عدی، عمرو بن حمق خزاعی کی شہادت کے حالات لکھے گئے ہیں۔

تیسرا باب امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے بھائیوں، بیٹوں اور اصحاب کی شہادت کے بعد کے واقعات پر مشتمل ہے، اس کی بھی چند فصلیں ہیں۔

چوتھا باب امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد جو کچھ وقوع پذیر ہوا، مثلاً آسمان کا گریہ، فرشتوں کا رونا اور جنات کا گریہ وزاری کرنا وغیرہ۔ پانچویں باب میں امام علیہ السلام کی اولاد اور زوجات اور امام کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں روایات نقل ہوئی ہیں، اسی طرح ایک فصل میں بارگاہ امام اور روضہ حسینی کی تخریب میں ظالم حکمرانوں کی کوششوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور خاتمہ کتاب میں توابین کے قیام اور مختار کے انتقام اور قاتلین امام کے قتل کے بارے میں تاریخی حالات لکھے گئے ہیں۔

نفس المہموم کے منابع اور مآخذ

نفس المہموم کی تالیف سے پہلے کربلا کے واقعات ذکر کرنے کے سلسلے میں روضہ خوان حضرات اور مجالس عزا پڑھنے والے خطباء کتاب بحار الانوار کی دسویں جلد، ابن نما حلی کی کتاب مثیر الاحزان، سید عبد اللہ شبر کی مھیج الاحزان، ابن طاووس کی لھوف، ابو مخنف کی مقتل الحسین وغیرہ سے استفادہ کرتے تھے۔ محقق علی دوانی کے بقول گویا یہ کتابیں واقعہ کربلا کے بارے میں مطالعہ کرنے والوں کی پیاس بجھانے کے لئے کافی نہیں تھیں۔ لہٰذا محدث قمی نے اس واقعہ کے بارے میں معتبر منابع سے اُن چیزوں کو جمع کیا کہ جو اُن کی اپنی نظر میں صحیح اور معتبر تھیں۔(10)

شیخ عباس قمیؒ نے اپنی اس کتاب میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے اُن کے نام یہ ہیں:

- ارشاد، تالیف شیخ مفید
- المہلوف علی قتلی الطفوف، تالیف سید بن طاؤوس
- تاریخ کامل، تالیف ابن اثیر جزری
- تاریخ طبری، تالیف محمد بن جریر طبری
- مقاتل الطالبین، تالیف ابو الفرج اصفہانی
- مروج الذہب و معادن الجوہر، تالیف علی بن حسین مسعودی
- تذکرۃ الخواص، تالیف سبط بن جوزی
- مطالب السئول فی مناقب آل الرسول، تالیف محمد بن طلحہ شافعی
- الفصول المہمہ فی معرفہ الائمہ، تالیف ابن صباغ مالکی
- کشف الغُمّہ، تالیف علی بن عیسی اربلی
- العِقد الفَرید، تالیف احمد بن محمد قرطبیّ مالکی
- الاحتجاج، تالیف احمد بن علی طبرسی
- مناقب، ابن شہر آشوب
- روضۃ الواعظین، تالیف فتال نیشابوری
- مُثیر الاحزان، تالیف ابن نما حلی

○روضۃ الصفا، تالیف خاوند شاہ

○تسلیۃ المجالس، تالیف محمد بن ابی طالب موسی حسینی۔(11)

نفس المہموم کی عربی طباعت، فارسی اور اردو ترجمہ

نفس المہموم کا عربی ایڈیشن کئی بار چھپ چکا ہے۔ اسے ایران میں منشورات ذوی القربی نے،۱۳۷۹ شمسی میں اور بیروت میں دار المحجۃ البیضا نے ۱۴۱۲ھ میں شائع کیا ہے۔

اس کتاب کے فارسی اور اردو زبان میں بھی ترجمے ہو چکے ہیں۔ فارسی میں سب سے پہلے آیت اللہ میرزا ابوالحسن شعرانیؒ نے ''دمع السجوم'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ اُنھوں نے ۱۳۹۶ھ میں ''نفس المہموم'' کی تصحیح کی اور اس کے ایک سال بعد اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور کتاب کے متن کے ساتھ نظم ونثر میں بہت سا اضافہ بھی کیا ہے اور مفید توضیحات بھی دی ہیں، لیکن ان کو اصل متن سے جدا نہیں کیا۔ اسی طرح ۱۳۳۹ شمسی میں آیت اللہ محمد باقر کمرہ ای نے بھی اس کتاب کا فارسی ترجمہ کیا ہے، جو ''رموز الشھادہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اسی طرح اردو میں نفس المہموم کا ترجمہ مولانا صفدر حسین نجفی اعلیٰ المقامہ نے کیا ہے جو لاہور سے چھپ چکا ہے اور عام دستیاب ہے۔ اس کتاب کی فارسی تلخیص سید علی کاشفی خوانساری نے ''گزیدہ نفس المہموم'' کے نام سے کی ہے۔(12)

مقتل الحسین خوارزمی

ابوالموید وابو محمد موفق بن احمد

مقتل الحسین علیہ السلام المعروف مقتل خوارمی مشہور اہل سنت عالم دین الحافظ ابوالموید وابو محمد موفق بن احمد بن ابی سعید اسحاق ابن الموید المکی الحنفی المعروف بہ اخطب خوارزم (۴۸۴۔۵۶۸ھ) کی تالیف ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں جو ایک مجلد میں محمد السماوی کی تحقیق اور حواشی کے ساتھ چھپی ہے۔

مقتل خوارزمی کے مؤلف بحیثیت محدث، خطیب، ادیب، شاعر اور فقیہ مشہور تھے۔ اُنھوں نے اس مقتل الحسینؑ کے علاوہ مناقب الامام ابی حنیفۃ، ردّ الشّمس لأمیر المؤمنین، کتاب قضایا امیر المؤمنین، مقتل امیر المؤمنین، مقتل الامام السبط الشہید، المسانید علی البخاری، دیوان شعر و فضایل امیر المؤمنینؑ جیسی کتابیں تالیف کی ہیں۔(13)

علامہ جلال الدین سیوطی بحوالہ صفدی اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' خوارزمی عربی زبان سے پوری طرح آگاہ تھے، وہ عالم، فاضل فقہی اور ادیب وشاعر تھے، وہ زمخشری کے شاگرد بھی رہے ہیں اور خوارزمی کے بہت سے خطبات اور اشعار ہیں۔'' (14)

علامہ امینی اخطب خوارزم کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' کان فقیھا عزیزالعلم حافظ اطایل الشھرہ محدثا کثیرالطرف خطیبا طایرالصیت متمکنا فی العربیہ خبیرا علی السیرہ والتاریخ ادیبا شاعرا لہ خطب و شعر مدون'' (15)

ترجمہ: ''وہ ایک دانشور فقیہ، مشہور حافظ، کثیر السند محدث، معروف خطیب، عربی زبان پر مسلط، سیرت وتاریخ سے آگاہ، ادیب، شاعر اور خطیب تھے اور اُن کے شعر اور خطبات مدون شدہ ہیں۔''

خوارزمی نے اپنی یہ کتاب کتب حدیث کی روش پر تالیف کی ہے اور ہر روایت کا سلسلہ سند بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی بعض روایات مختصر اور چھوٹی ہیں اور بعض بہت زیادہ طولانی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے کربلا کی طرف سفر کی روداد کا بڑا حصہ اس نے ابن اعثم کوفی سے نقل کیا ہے۔ لیکن روز عاشور کے واقعات، ابو مخنف اور دوسرے رواویوں سے نقل کئے ہیں۔ ابن اعثم سے اس نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بہت زیادہ دقیق نہیں ہے بلکہ بہت سے کلمات کو تبدیل کردیا ہے لیکن اس تبدیلی کی وجہ سے معنیٰ اور مفہوم تبدیل نہیں ہوا۔ (16)

مقتل خوارزمی کے مضامین

بظاہر اس کتاب کا عنوان مقتل ہے، لیکن اس کا ایک حصہ مناقب اہل بیت اطہارؑ پر مشتمل ہے، دوسرا حصہ واقعات کربلا کے بارے میں اور تیسرا حصہ قیام مختار کے متعلق ہے۔ کتاب کی کل ۱۵ فصلیں ہیں کہ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ فضائل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ فضایل ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد

۳۔ فضائل فاطمہ بنت اسد والدہ گرامی امیر المومنینؑ

۴۔ فضائل امیر المؤمنین علی علیہ السلام
۵۔ فضائل الصدیقہ فاطمہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۶۔ فضائل الحسن والحسین علیہما السلام
۷۔ فضائل مخصوص امام حسینؑ
۸۔ امام عالی مقامؑ کی شہادت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین
۹۔ ولید اور مروان کے ساتھ گزرنے والے واقعات اور معاویہ کی موت اور اس کے بعد کے حالات
۱۰۔ مکہ مکرمہ میں امامؑ کا قیام اور کوفہ سے خطوط کی آمد اور مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے اور ان کی شہادت کے حالات
۱۱۔ مکہ سے امامؑ کے خروج اور شہادت تک کے حالات
۱۲۔ قاتلین امام کا انجام
۱۳۔ امامؑ کے غم میں اشعار اور مرثیوں کا تذکرہ
۱۴۔ قبر امام علیہ السلام کی زیارت
۱۵۔ قاتلین امام سے مختار بن ابی عبید الثقفی کے انتقام کا تذکرہ (17)

کتاب کی اہمیت اور مقام

مقتل خوارزمی کی اہمیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب مقتل لہوف سے ایک سو سال پہلے لکھی گئی ہے۔ دوسری وجہ اس کتاب کا ''الفتوح'' جیسی قدیم کتاب سے روایات نقل کرنا ہے۔ اسی طرح اس کے مؤلف کا غیر شیعہ ہونا بھی اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ کتاب کے مؤلف کے غیر شیعہ ہونے کے باوجود یہ کتاب شیعوں کے علمی حلقوں میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اور امامیہ مؤلفین قدیم زمانے سے اس کی روایات کو اپنی کتب میں نقل کرتے آئے ہیں۔ (18)

مقتل خوارزمی کی اشاعت

ابھی تک کتاب مقتل خوارزمی، شیخ محمد سماوی کے مقدمہ و تحقیق کے ساتھ تین بار شائع ہو چکی ہے۔ پہلا ایڈیشن نجف سے ۱۳۶۷ھ میں الزاہراء پریس کی طرف سے اور دوسرا ایڈیشن مکتبۃ المفید سے ۱۳۹۹ ھ میں اور آخری ایڈیشن ۱۴۱۸ھ میں دار انوار الہدی سے شائع ہوا ہے۔

مقتل خوارزمی کا فارسی ترجمہ

مقتل خوارزمی کے واقعات کربلا سے متعلق حصے کا فارسی زبان میں ترجمہ مصطفیٰ صادقی نے ''شرح غم حسینؑ'' کے نام سے کیا ہے۔ پوری کتاب تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن واقعات کربلا سے متعلق حصے کے ۱۵۰ صفحات ہیں۔(19)

محققین کے مطابق یہ بات قابل ذکر ہے کہ ''مقتل الحسین خوارزمی'' کے معتبر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں درج تمام مطالب قابل قبول ہیں۔ لہٰذا اہل منبر حضرات کو چاہیے کہ وہ اس کے مضامین اور مطالب کے بارے میں غور کریں اور دوسری مستند کتابوں سے منطبق مفید اور صحیح مطالب کو اخذ کریں اور غیر صحیح باتوں کو چھوڑ دیں۔

اللھوف علی قتلی الطفوف

تالیف سید ابن طاؤس (متوفی ۶۶۴ ھ)

''اللھوف علی قتلی الطفوف'' واقعہ کربلا اور شہادت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں مشہور کتاب ہے جس کے مؤلف مکتب اہل بیتؑ کے ایک جلیل القدر عالم، متکلم اور معلم اخلاق تھے۔ جن کا نام سید رضی الدین، علی بن موسی بن جعفر بن طاؤس، اُن کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے امام حسن مجتبی علیہ السلام اور والدہ کی طرف سے امام زین العابدین علیہ السلام سے ملتا ہے۔ سید ابن طاؤس ۱۵ محرم ۵۸۹ ھ کو عراق کے شہر حِلّہ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے والد اور جدّ ورام بن ابی فراس سے حاصل کی۔ انھوں نے اپنے زمانے کے علماء اور اکابرین وبزرگوں سے استفادہ کرتے ہوئے بہت جلد علم و ادب اور معنویت میں اہم مقام پیدا کرلیا اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی۔ سید ابن طاؤس نے اپنے بعد ۵۰ تالیفات

بطور یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے زیادہ تر کا تعلق دعا اور زیارت سے ہے۔ اُنھوں نے ۶۶۴ ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی اور نجف اشرف میں حرم امام علیؑ میں دفن ہوئے۔

کتاب لہوف کی اہمیت

اللھوف علی قتلی الطفوف کا معنیٰ ہے آہ و نالا بر مقتولین کربلا۔ یہ کتاب شہدائے کربلا کے بارے میں ایک معروف اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ مقتل کی کتابوں میں اس کتاب کا نام سر فہرست ہے۔ آیت اللہ سید محمد علی قاضی تبریزی شہید اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ''سید ابن طاوئوس کی کتاب لہوف کے منقولات بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں اور مقاتل کی کتابوں میں اس جتنی معتبر اور قابل اعتماد کتاب نہیں ملتی۔ اس کتاب پر اطمینان اور وثوق نے اسے مقاتل کی معتبر کتابوں میں پہلے درجے پر لا کھڑا کیا ہے۔'' (20)

رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے اس کتاب کی اہمیت یوں بیان کی ہے:

'' یہ مقتل بہت ہی معتبر ہے، ابن طاؤوس کہ جن کا نام علی بن طاؤوس ہے جو ایک فقیہ، عارف، بزرگ، صدوق، موثق اور تمام فقہاء کے لئے قابل احترام شخصیت ہیں۔ وہ خود ایک ادیب، شاعر اور برجستہ شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے ایک معتبر اور مختصر مقتل لکھا ہے۔ البتہ ان سے پہلے بھی بہت سے مقتل موجود تھے؛ اُن کے اُستاد ''ابن نما'' کا بھی مقتل ہے، شیخ طوسی نے بھی مقتل لکھا ہے دوسروں کے بھی مقتل ہیں، ان سے پہلے بہت سے مقتل لکھے گئے ہیں لیکن جب مقتل ''لہوف'' آیا تو تقریباً تمام مقتل اس کے تحت الشعاع قرار پائے۔ یہ بہت ہی اچھا مقتل ہے چونکہ اس کی عبارات بہت اچھی طرح دقیق انداز میں اور اختصار کے ساتھ انتخاب ہوئی ہیں۔'' (21)

ممتاز محقق استاد علی دوانی مرحوم لکھتے ہیں:

'' لہوف، یا ملہوف فی قتلی الطفوف ایک مختصر سی کتاب ہے جس کے مؤلف سید رضی الدین علی بن طاؤس حلی ہیں۔ گویا انھوں نے یہ کتاب ایام شباب میں لکھی ہے؛ اس کے باوجود یہ بہت اہم مآخذ اور معتبر مقاتل میں سے ایک ہے۔'' (22)

کتاب لہوف کے مختلف نام

اس کتاب کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے کہ جن میں سے سبھی نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے خود مئولف کی طرف سے انتخاب شدہ ہیں، چونکہ سید ابن طاؤس نے اپنی کتابوں کو مختلف ناموں سے ذکر کیا ہے یا ایک نام کو تبدیل کرکے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے خطی نسخوں سے پتا چلتا ہے۔ کتاب کے قلمی نسخوں کے حوالے سے اس کے درج ذیل نام ذکر ہوئے ہیں:

۱۔ اللھوف علی قتلی الطفوف
۲۔ الملھوف علی قتلی الطفوف
۳۔ الملھوف علی قتل الطفوف
۴۔ اللھوف فی قتل الطفوف
۵۔ الملھوف علی اھل الطفوف
۶۔ المسالک فی قتل الحسینؑ۔

جیسا کہ ابن طاؤس نے مقدمہ کتاب میں کہا ہے کہ میں نے اسے تین مسلک پر مرتب کیا ہے۔ البتہ شیخ آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ ج ۲۲، ص ۲۲۳ پر "اللھوف علی قتلی الطفوف" کو ہی سب سے مشہور نام جانتے ہیں۔

مؤلف نے واقعہ عاشورا کے مختصر بیان کی نیت سے احادیث کو اس ترتیب سے قرار دیا ہے کہ ایک منظّم روداد کو تشکیل دے اور مکرر روایات نیز متفرقہ روایات سے اجتناب کیا ہے تاکہ قاری ایک تاریخی روداد اور واقعے سے آگہی حاصل کرے نہ کہ نقل روایات سے۔ اس کتاب کے بارے میں خود سید ابن طاؤس مقدمے میں لکھتے ہیں:

"جس چیز نے مجھے اس کتاب کو لکھنے پر سب سے زیادہ اُبھارا وہ یہ ہے کہ جب میں نے "کتاب مصباح الزائر وجناح المسافر" تالیف کی تو وہ زیارت کے بہترین مقامات اور زیارت کے وقت منتخب ترین اعمال پر مشتمل تھی اور میں نے دیکھا کہ جو بھی یہ کتاب اپنے ہمراہ رکھے گا اُسے زیارت اور اعمال کی دوسری چھوٹی بڑی کتب کو اپنے ساتھ اُٹھانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لئے میں نے چاہا کہ جو شخص بھی وہ کتاب اپنے ہمراہ رکھتا ہے؛ اس کے ساتھ ہی وہ عزاداری سید الشہداء کے لئے ایک مختصر مقتل بھی بھی

اپنے ساتھ رکھے اور (اس موضوع کی)دوسری کتابوں سے بے نیاز ہو جائے۔ اس لئے میں نے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ چونکہ زائرین کے پاس فرصت کم ہوتی ہے؛ میں نے اس میں مطالب کو طولانی کرنے کے بجائے مختصر لکھا ہے۔ یہ کتاب قاری پر غم واندوہ کے ابواب کھولنے کے لئے کافی ہے اور مومنین کو سعادت کی طرف لے جاتی ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے قالب میں میں نے بہت سے قیمتی حقائق سمو دیئے ہیں اور اس کا نام ''اللھوف علی قتلی الطفوف '' رکھا ہے اور اسے تین مسالک (ابواب) میں تدوین کیا ہے:

پہلا باب: جنگ سے پہلے کے حالات پر مشتمل ہے؛ جس میں ولادت امام حسین علیہ السلام سے لے کر روز عاشورا تک کے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یعنی؛ مدینہ سے امام عالی مقام علیہ السلام کی روانگی، اہل کوفہ کے مکتوبات، مسلم بن عقیلؑ کی کوفہ روانگی، کوفہ کے حالات وواقعات کی تفصیل اور مسلم وہانی کی شہادت وغیرہ کے حالات ذکر ہیں۔ اس کے بعد مکہ سے امام حسین علیہ السلام کا عراق کی طرف روانہ ہونے اور سرزمین کربلا میں داخل ہونے اور اہل بیت اطہارؑ کو ساتھ لے جانے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

دوسرا باب: جنگ اور شہادت کے حالات پر مشتمل ہے؛ جس میں امام حسین علیہ السلام کے کوفیوں کے سامنے احتجاجات اور اتمام حجت کو بیان کیا گیا ہے، شب عاشور کے واقعات ذکر ہوئے ہیں اور حر بن یزید ریاحی کا امامؑ کے ساتھ ملنا اور اصحاب امام کی شہادت جوانان بنی ہاشم کی قربانیوں اور آخر کار امام حسین علیہ السلام کی لشکر اشقیاء کے خلاف شجاعانہ جنگ کے واقعات بیان ہوئے ہیں اور آخر میں خیام اہل بیت کی لوٹ مار اور جسد مبارک امام حسینؑ پر گھوڑے دوڑائے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اسی کے ساتھ قاتلین امامؑ کے انجام کے بارے میں کچھ مطالب بیان کیے ہیں۔

تیسرا باب: شہادت کے بعد کے واقعات پر مشتمل ہے جس میں اسیروں کا کوفہ میں داخل ہونا؛ کوفہ میں حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا، دوسری بیبیوں اور حضرت سجادؑ کے خطبات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اہل بیت کے دربار ابن زیاد میں وارد ہونے اور عبداللہ بن عفیف کی رشادت وشہادت کی تفصیل بیان کی ہے۔ پھر کوفہ سے شام کی طرف قافلہ اہل بیت کی روانگی بیان ہوئی ہے اور شام میں اہل بیت پر جو گذری ہے اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔(23)

کتاب کی زبان درد انگیز، سوز ناک اور ادبی خصوصیات لئے ہوئے ہے اور کہیں کہیں سید ابن طاؤس نے اشعار سے بھی بھر پور استفادہ کیا ہے کیونکہ مولف خود شعری ذوق سے سرشار ہیں اس لئے اشعار کا انتخاب بہت ہی عمدہ انداز میں کیا ہے اور ان واقعات میں جہاں جہاں اشعار آئے ہیں اُن کو فروگذاشت نہیں کیا۔اس لئے یہ کتاب ذکر حسینؑ کرنے والوں کے لئے بہترین اور مستند ترین منبع ہے۔ مومنین کے لئے ایام محرم میں اس کتاب کا مطالعہ واقعات کربلا کو درست انداز میں سمجھنے کا بہترین وسیلہ ہے۔

لہوف کے تراجم

اس کتاب کی مقبولیت کی وجہ سے اس کے بہت سی زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں، فارسی میں اس کے بہت سے ترجمے موجود ہیں، اُردو میں بھی اس کے ترجمے کئے گئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ فیض الدموع: بقلم آقا محمد ابراہیم نواب تہرانی المعروف بہ بدائع نگار۔

۲۔لجہ الألم فی حجہ الأمم: مترجم میرزا رضا قلی شقاقی تبریزی۔

۳۔اللھوف: مترجم محمد طاہر بن محمد باقر موسوی دزفولی۔

۴۔دمع ذروف: ترجمہ بقلم سید محمد حسین ہندی (متوفٰی ۱۳۵۵ھ) بزبان اردو۔

۵۔زندگانی اباعبداللہ: مترجم سید محمد صحفی۔

۶۔اللھوف: مترجم: احمد بن سلامہ نجفی۔

۷۔آہ سوزان بر مزار شہیدان:، مترجم سید احمد فہری۔

۸۔وجیزۃ المصائب:، مترجم: ضیاء الدین مہدی بن داؤد المتخلص بہ ذوقی۔

۹۔ترجمہ لہوف بقلم سید ابوالحسن میر ابوطالبی۔

*****

حوالہ جات

1 ۔ جعفریان، رسول، منابع تاریخ اسلام، ص272۔273،انصاریان ، قم 1376 ش۔
2 ۔ امین، سید حسن، مستدرک اعیان الشیعہ، ج6، ص253، دار التعارف، بیروت، 1408ھ
3 ۔رجال نجاشی، ص 320، انتشارات جامعہ مدرسین، قم، 1407ق
4 ۔نوری طبرسی، حسین،لولوٴومرجان ، ص150،156
5 ۔ قمی، شیخ عباس، نفس المهموم ص5
6 ۔ قمی، شیخ عباس، الکنی والالقاب ج1، ص152
7 ۔ صدر، سید حسن، مولفواالشیعہ فی صدرالاسلام ص 42
8 ۔خلاصہ ازمقدمہ نفس المهموم، ص5
9 ۔ شیخ مفید،الأمالی، ص338
10 ۔ دوانی، مفاخر اسلام، ج11، ص 624 ،انتشارات مرکز اسناد انقلاب اسلامی، 1377
11 ۔ مقدمہ نفس المهموم، ص6-9
12 ۔ سید علی کاشفی خوانساری، گزیدہ نفس المهموم عباس قمی، نشرحوا، 1388
13 ۔ طباطبائی، عبدالعزیز، اہل البیت فی المکتبۃ العربیۃ، ص541و542
14 ۔جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، بغیۃ الوعاۃفی طبقات اللغویین والنحاۃ، ج2، ص 401
15 ۔امینی، عبد الحسین،الغدیر ج4، ص 398، دارالکتب الاسلامیہ، تہران1371 شمسی
16 ۔ مصطفیٰ صادقی ، شرح غم حسین، ص10
17 ۔ مقتل الحسین خوارزمی، ص5
18 ۔ بحوالہ محسن رنجبر، مقالہ معرفی وبررسی "مقتل الحسین خوارزمی" تاریخ اسلام درآینہ پژوہش، زمستان 1383 - شمارہ 4
19 ۔مصطفیٰ صادقی، شرح غم حسین، ص10
20 ۔ قاضی، تبریزی، محمد علی، تحقیقی پیرامون اربعین، ص8
21 ۔خطبات نماز جمعہ، روز نامہ قدس، مورخہ 1377/2/19 ش، ص6
22 ۔ مقالہ نقد وبررسی مقاتل موجود، علی دوانی
23 ۔ مقدمہ اللهوف علی قتلی الطفوف

امام حسین علیہ السلام کی نظر میں اہل بیت علیہم السلام کا مقام و مرتبہ

امیر شام کی موت سے ایک سال پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام نے حج بیت کے موقعہ پر بنی ہاشم کے مردوں، عورتوں اور غلاموں کے علاوہ سات سو سے زائد لوگوں کے سامنے جن میں تقریباً ۲۰۰ اصحابِ پیغمبر اور اکثر تابعین موجود تھے خطبہ دیا اس خطبہ میں آپ نے حمدِ الٰہی کے بعد فرمایا:

"بہر حال اس سرکش اور تجاوز کرنے والے نے ہم اور ہمارے شیعوں پر ایسے ایسے ظلم روا رکھے ہیں کہ جن کے متعلق تم خود شاہد ہو۔ اس کے مظالم کے متعلق تم تک پوری خبریں پہنچ چکی ہیں۔ ایسی صورتحال میں تم سے پوچھتا ہوں۔ اگر میں سچ بولوں تو میری تصدیق کرو اور اگر خلافِ واقعہ بیان کروں تو میری تکذیب کرو۔ سب سے پہلے میں اللہ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قرابت داری کے حق کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ میری باتوں کو غور سے سنو اور ضبطِ تحریر میں لاؤ۔ جب بھی تم اپنے اپنے شہروں میں، اپنے قبیلے کے افراد کے پاس جاؤ تو ان میں سے جن لوگوں کے متعلق تم یقین اور وثوق رکھتے ہو، ہمارے ان حقوق کے متعلق پردہ اٹھاؤ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حق کہنہ ہو کر ختم ہو جائے یا اہلِ باطل اس پر غالب آ جائیں۔ ہاں! یہ بات مسلّم ہے کہ خدا اپنے نور کو مکمل کرکے ہی رہے گا، چاہے کافروں کیلئے سخت ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔"

سلیم بن قیس کہتے ہیں: جو کچھ قرآن میں ان کے والدین اور اہلِ بیت اطہارؑ کے بارے نازل ہوا ہے، جو کچھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے ارشاد فرمایا، انہوں نے بیان کر دیا۔ ہر بات پر صحابہ کرام اس طرح تائید کرتے رہے کہ ہاں! ہم نے یہ بات سنی تھی اور گواہی دیتے ہیں جبکہ تابعی یوں تائید کرتے کہ ہم نے اپنے مورد وثوق صحابہ کرام سے سنی ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: "خدا کی قسم! یہ باتیں اپنے قابلِ اعتماد دوستوں کو بتاؤ!"

سلیم بن قیس کہتے ہیں کہ سب سے سخت اور رقت آمیز گفتگو یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم! کیا تم جانتے ہو کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے درمیان برادری قائم کی تو اس وقت علی علیہ السلام کو اس طرح اپنا بھائی بنایا کہ فرمایا: "اے علیؑ! میں دنیا اور آخرت میں تمہارا اور تم میرے بھائی ہو۔" اس پر تمام حاضرین نے بیک زبان امام حسین علیہ السلام کی تائید کی۔ تب آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم! کیا تم جانتے ہو کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مسجد تعمیر کرنے کیلئے زمین خریدی، پھر مسجد تعمیر کی، پھر مسجد کے اطراف میں دس گھر بنائے جن میں سے نو گھر اپنے لئے اور ایک گھر جو درمیان میں تھا، ہمارے والد گرامی کیلئے بنایا۔ پھر مسجد کی طرف تمام کھلنے والے دروازوں کو بند کر دیا، سوائے میرے والدِ گرامی کے دروازے کے۔ جب لوگوں نے اس حوالہ سے باتیں کیں تو فرمایا کہ جس طرح نہ میں نے تمہارے دروازے اپنی مرضی سے بند کئے، اسی طرح علی علیہ السلام کا دروازہ بھی اپنی مرضی سے کھلا نہیں رکھا، بلکہ یہ سب کچھ حکم

خداوندی کے تحت ہوا ہے۔ پھر سوائے علی علیہ السلام کے تمام کو مسجد میں سونے سے منع فرمادیا جبکہ اُسی مسجد میں پیغمبر اسلام ﷺ کیلئے اولادیں پیدا ہوئیں۔" اس بات پر بھی سب نے تائید کی۔

پھر آپؑ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ جب حضرت عمر بن خطاب نے اپنے گھر سے مسجد کی طرف ایک چھوٹا سا سوراخ رکھنے پر اصرار کیا لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے اُن کی یہ بات نہ مانی، بلکہ یوں خطبہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں ایسی پاک و پاکیزہ مسجد تیار کروں جس میں علی اور ان کے دو بیٹے فقط رہ سکتے ہیں۔" پھر بھی سب لوگوں نے تائید کی۔

تب آپ نے فرمایا: "میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے غدیر خم میں میرے والد گرامی کو یوں منصوب کیا کہ بلند آواز میں ان کی ولایت کا اعلان کیا اور فرمایا کہ ضروری ہے کہ حاضرین وغائبین کو اطلاع کردیں"۔ سب نے کہا: جی ہاں! یہ درست ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: "کیا تم نہیں جانتے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زندگی کا آخری خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، ایک کتاب اللہ اور دوسرے اپنے اہلِ بیتؑ۔ پس ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔"

سلیم بن قیس کہتے ہیں: جو کچھ علیؑ اور اہلِ بیتِ اطہارؑ کے بارے میں قرآن اور روایات میں بیان ہوا تھا، امام علیہ السلام نے سب کچھ بیان کرتے ہوئے لوگوں سے ان پر اقرار لیا اور جواب میں صحابہ کرام یوں کہتے کہ ہاں! ہم نے خود پیغمبر اسلام ﷺ سے سنا جبکہ تابعین کہتے تھے کہ ہم نے فلاں فلاں موثق آدمیوں سے سنا ہے۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے صحابہ کرام کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

" کیا پیغمبر اسلام ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ آدمی جھوٹ بولتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مجھے دوست رکھتا ہے جبکہ حضرت علی علیہ السلام کو دشمن رکھتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ علی علیہ السلام کو دشمن رکھتا ہو جبکہ مجھے دوست رکھتا ہو؟ کسی نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ تو فرمانے لگے: چونکہ علی علیہ السلام مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ جو علیؑ سے محبت رکھتا ہو، وہ مجھ سے بھی محبت رکھتا ہے اور مجھے دوست رکھنے والا گویا اللہ کو دوست رکھتا ہے۔ جو علیؑ سے بغض رکھتا ہو، وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے اور مجھ سے بغض رکھنے والا اللہ تعالیٰ سے بغض رکھتا ہے۔"

یہاں پر بھی تمام حاضرین نے تائید کی اور کہا کہ ہاں! ہم نے سنا ہے اور پھر منتشر ہوگئے۔

(خطبہ منیٰ سے اقتباس، بحوالہ تحف العقول، ص ۲۳۷)

THE QURAN AND JUSTICE OF IMAM ALI (a.s)

By: ***Syed Hassnain Abbas Gardezi****

Key Words: *The lifestyle of Imam Ali (a.s), The Justice of Imam Ali (a.s), The Interpretation of the Quran, The Causes of the descent of Quran, Judicial Judgment*

Abstract

The relationship between Quran and Imam Ali (a.s) is so strong that it cannot be dismantled. Like the Holy Prophet (PBUH), more than anyone else, Imam Ali (a.s) experienced the influence of Quran. Its secret has been revealed by himself in a sermon in the Nahjul Balaghah. According to this sermon, he accompanied the Holy Prophet (PBUH) from the first revelation till the end of the life of the Prophet (PBUH). There are multiple Prophetic Statements (Ahadith) that testify the deep and strong bound between Imam Ali (a.s) and the Quran. The most well-known Hadith, in this regard, is "Hadith-e-Saqlain". Beside Hadith-e-Saqlain, there are many other Ahadith that point at Imam Ali's being Scholar of Quran (A'lim-e-Quran).

Furthermore, Imam Ali (a.s) practically demonstrated that how his life was molded into the teachings of the Quran. Imams' insist upon justice shows that He was embodiment (practical Interpretation) of Quran". One can find several examples of justice in the history of his caliphate that show the complete compatibility and affinity between the Imam and Quran. In this paper, a few examples of his justice has been presented that have been reported in books of both Shia and Sunni Muslims. By presenting such examples it has been proved that his Justice was, after the Prophet, complete interpretation of the Quranic justice and he never act against the Quranic concept of justice.

** . Chief Editor Quarterly Noor-e-Marfat; Islamabad.*

THE INFALLIBILITY OF THE HOLY PROPHRT (PBUH)

By: ***Syed Muzammil Hussain Naqvi****

Key words: *Infallibility, The Polemics (Elm-e-kala'm), Rational Aversion, the Purified one (Mukhlus)*

Abstract

It has no doubt that the chief objective of the prophets was the training of the human beings. Training becomes effective when the trainer possess noble qualities and when there is no contradiction between his words and deeds. It is, therefore, inevitable for prophets to keep themselves away from committing any type of sin after the prophethood or before it. It is so because if anyone has spent even a small portion of his life committing sins, cannot inspire others either by his words or deeds. Apart from this logical argument, there are many Quranic verses that point at the infallibility of the prophets. Quran has termed the prophets as "purified ones" (Mukhlaseen) i.e those Satan cannot hijack. Beside the Quranic verses, there are Traditional (rawa'i) arguments in this regards. The subject of this paper is the infallibility of the Prophet Muhammad (PBUH). In this paper those verses have been taken and rightly interpreted that apparently point at things inappropriate to his infallibility.

**. Director NDE. BaraKhau, Islamabad.*

WHY CALAMITIES AND DISASTERS?

By: ***Faiza Batool Naqvi****

Key words: *Calamities, Hardships, Disasters, Evil (Shar), Accidents, Drought, Pain, Wisdom of God (Hikmat-e-Elahi), Justice of God (Adl-e-Elahi)*

Abstract

Indeed our lives are not spare of calamities, disasters, accidents, diseases, and droughts. This very fact of human life raises the question in our mind that why such things are here in our lives. This question is very important to be concerned about as we, being Muslims, believe in God's being creator of the universe and His being omnipotent. Given the fact that He is the creator of everything in the universe, the question is worthy to be pondered that why He did not created the world in such a way that it would not have such calamities, blows and so on.

Another aspect of the importance of the issue under consideration is that many people, with their limited knowledge consider many calamities as evil and deny the wisdom and justice of God. It is, therefore, important to understand the philosophy and logic behind such calamities because if someone is ignorant of the philosophy of calamities, cannot face the difficulties as a true believer. According to Islamic perspective there are various reasons behind these calamities that include the limitation of the world, accomplishment of the objective of creation, human freedom and liberty, and injection of humbleness in human beings…. In this paper an exploration of such reasons have been presented in the light of Quran and Islamic Narrations (Riwaya't).

* *. B.S. Student at MIU (Pak), Islamabad.*

AN EXAMINATION OF GOALS AND OBJECTIVES OF HUMAN LIFE IN THE LIGHT OF QURAN

By: ***Dr. Muhammad Afzal Karemi****

Key words: *Human being, Worship of God (Eba'dah), Life, Objective, Islam, Quran, The Tradition (Sunnah)*

Abstract

According to Islam all the creatures have some sort of objectives and goals behind their creation and existence. To create purposeless things is against the dignity of the Creator Himself. If we do not or cannot discover any purpose or objective behind a particular creature, it is not because that thing lacks any purpose, rather it is because of the limitation and inadequacy of our intellect and rationality. How it is possible to assume that human beings have been created without any purposes and goals when there is nothing in the universe that is aimless and pointless. How it is possible, then, that human beings, the noblest among creatures, have been given existence just for eating, drinking, and entertaining themselves.

In the view of Quran, human beings have been created to worship God that is connected with the pleasing (Ridha) of the Almighty. The objective of human beings is very noble, great and important on the basis of which the 'Nearness (Taqarrub) of God' can be achieved. It is imperative for a human being to know which thinking, passion and practice can lead him towards this. A human being is required to refine his beliefs, guide his temptations and desires and do good deeds in this way. This paper deals with some significant and prominent goals of human life.

** . Research Scholar at K.U. Dept. of Islamic Sciences; Karachi.*

IMPORTANCE OF THE DAY OF A'RAFA AND SOME EXTRACTS FROM DUA-E-A'RAFA

By: ***Syed Rameez-ul-Hassan Musavi****

Key words: *A'rafa't, Prayer, The day of A'rafa, Acquaintance with God (Marifat-e-Elahi), Names and Characteristics (Sifa't) of God, Blessings of God, Repentance.*

Abstract

To comprehend something with contemplation and serious consideration is called A'rafa. The 9th day of the Islamic month Zil al Hajjah is termed as Youm al A'rafa. Muslims are advised to get themselves engage in prayer and worship. After the night of Qadr, the day is one of the most important day when God forgives our sins. The holy Imams were used to highlight the significance of the day to Muslims and direct them towards performing the rituals associated with it.

One of the major perils of these rituals is the Dua-e-A'rafa which is consisting of themes and subjects of acquaintance with God and His characteristics, making and reviving promises with Him, acquaintance with the noble prophets, believing in the Day of Judgment, thinking about the creation of universe, offering gratitude for the blessings of God, repenting before Him of sins, requesting His forgiveness and the fulfilling of desires etc. An attempt has been made in this paper to highlight some aspects of the Dua-e-A'rafa which shed light on the way of acquaintance with God.

**.The Editor Quarterly "Noor-e-Marfat"; Research Scholor, Islamabad.*

THE POLITICAL TACTICS OF UBAIDULLAH BIN ZIYAD IN THE CITY OF KUFA

By: ***Dr. Abbas Haider Zaidi****

Key words: *Ziyad bin Abih'I, Noman bin Bashir, Muslim bin Aqeel, Dignitaries of Kufa, Umar bin Sa'ad, Mukhtar-e-Tha'kafi*

Abstract

When Imam Hussain (a.s) was in Mecca, the people of Kufa invited him to Kufa. The Imam sent Muslim bin Aqeel as his representative to Kufa. When Muslim reached Kufa, Yazid's supporters felt threatened about a possible establishment of a government under him and started to write letters to Yazid about the unfolding dynamics. They advised him to grant the governorship of the city to someone who can treat Kufans strictly. Yazid gave the governorship of Kufa to Ubaidullah bin Ziyad, in addition to the governorship of Basra he already had.

Some of the major political tactics Ubaidullah employed in Kufa are following: to take over the city by entering into it cunningly, to threaten the Kufans, to spread the rumors of an incoming Syrian army to Kufa, to entice greedy people, to appoint and dismiss the chiefs of many tribes, to spy and jail, to murder and plunder, to dispatch an army to Karbala, and to obey the Syrian ruler blindly. This paper examines the above-mentioned political tactics of Ubaidullah in detail.

**P.h.d; Pakistan Studies Centre; Karachi.*

ORGAN TRANSPLANTATION IN THE VIEW OF SHIA AND OTHER FOUR SCHOOLS OF ISLAMIC JURISPRUDENCE

Translated By: ***Syed Hussanian Abbas Gardezi****

Key words: *Organ Transplantation, Shia, Shafi'I, Maliki, Hanafi, Hambali.*

Abstract

The issue of human organ transplantation has never been as conspicuous as it is in current period, albeit its origins can be found in our traditional religious and jurisprudential texts such as the Traditions (Riwaya't) that deal with the transplantation of ear or tooth that have been cut or broke as retribution (Qisas) for crimes. Moreover, those rules and principles inferred from religious text e.g. "علينا القاء الاصول وعليكم التفريع" *can be utilized in the issue concerned.*

This paper is divided into two parts, each having three sections. In each section the author has, first, mentioned the views of religious scholars and jurist of different sects with their arguments and, then, has critical analyzed them.

** .This article is translated from a Persian magazine "Taloo'e"; Vol#19.*

سہ ماہی **نور معرفت**

ممبر شپ فارم

نام:_____ تعلیم: _____

پیشہ:_____ فون نمبر:_____

پتہ:_____

_____

E-mail:_____

براہ کرم سال_____کے لئے نور معرفت میرے نام جاری کر دیجئے۔ شکریہ دستخط خریدار:_____

دفتری استعمال کے لئے

برادر/خواہر_____کی ممبر شپ برائے سال_____کی درخواست منظور کرتے ہوئے رجسٹریشن نمبر جاری کر دیا گیا ہے متعلقہ ممبر کو مجلّہ باقاعدگی سے ارسال کیا جائے گا۔

رجسٹریشن نمبر:_____تاریخ اجراء:_____ممبر ساز:_____

نوٹ: مجلّہ کا 2016ء کے لئے زرِ سالانہ مبلغ:/500روپے اور فی شمارہ:/130روپے ہے۔

خط وکتابت کا پتہ:

سہ ماہی نور معرفت/نوری الہدیٰ مرکز تحقیقات/نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی/بارہ کہو اسلام آباد/فون:051-2231937

www.nht.org.pk, www.nmt.org.pk

E-mail:noor.marfat@gmail.com

طلب عافیت کے ساتھ حج و عمرہ اور زیارتِ قبر رسول ﷺ اور قبور آل رسولؑ کی دعا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَلْبِسْنِیْ عَافِیَتَكَ وَ جَلِّلْنِیْ عَافِیَتَكَ وَ حَصِّنِّیْ بِعَافِیَتِكَ وَ اَكْرِمْنِیْ بِعَافِیَتِكَ وَ اَغْنِنِیْ بِعَافِیَتِكَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیَّ بِعَافِیَتَكَ وَ ھَبْ لِیْ عَافِیَتَكَ وَ اَفْرِشْنِیْ عَافِیَتَكَ وَ اَصْلِحْ لِیْ عَافِیَتَكَ وَ لَا تُغَرِّقْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَافِیَتَكَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ۔۔۔ اَللّٰھُمَّ وَامْنُنْ عَلَیَّ بِالْحَجِّ وَ الْعُمْرَۃِ وَ زِیَارَۃِ قَبْرِ رَسُوْلِكَ صَلَوَاتُكَ عَلَیْہِ وَ رَحْمَتُكَ وَ بَرَكَاتُكَ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اٰلِ رَسُوْلِكَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ اَبَدًا مَّا اَبْقَیْتَنِیْ فِیْ عَامِیْ ھٰذَا وَ فِیْ كُلِّ عَامٍ وَاجْعَلْ ذٰلِكَ مَقْبُوْلاً مَشْكُوْرًا مَذْكُوْرًا لَدَیْكَ مَذْخُوْرًا عِنْدَكَ وَ اَنْطِقْ بِحَمْدِكَ وَ شُكْرِكَ وَ ذِكْرِكَ وَ حُسْنِ الثَّنَآءِ عَلَیْكَ لِسَانِیْ۔

اے اللہ ! رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آل پر اور مجھے اپنی عافیت کا لباس پہنا، اپنی عافیت کی ردا اوڑھنا، اپنی عافیت کے ذریعہ محفوظ رکھ۔ اپنی عافیت کے ذریعہ عزت و وقار دے۔ اپنی عافیت کے ذریعہ بے نیاز کر دے۔ اپنی عافیت کی بھیک میری جھولی میں ڈال دے، اپنی عافیت مجھے مرحمت فرما، اپنی عافیت کو میرا اوڑھنا بچھونا قرار دے۔ اپنی عافیت کی میرے لئے اصلاح و درستی فرما اور دنیا و آخرت میں میرے اور اپنی عافیت کے درمیان جدائی نہ ڈال۔۔۔ بارالہا! مجھ پر احسان فرما کہ جب تک تو مجھے زندہ رکھے، ہمیشہ اس سال بھی اور ہر سال حج و عمرہ اور قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبور آل رسول سلام اللہ علیہم کی زیارت کرتا رہوں۔ اور ان عبادات کو مقبول و پسندیدہ قابل التفات اور اپنے ہاں ذخیرہ اور حمد شکر و ذکر اور ثنائے جمیل کے نغموں سے میری زبان کو گویا رکھ۔

(صحیفہ کاملہ۔ دعائے طلب عافیت سے اقتباس)

DECLARATION NO: 7334 ISSN2221-1659

QUARTERLY

RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

NOOR-E-MARFAT

امتحان الٰہی کا مقصد افراد کے باطن کا کشف اور ان کی حقیقت کے بارے میں جاننا نہیں، انسان کی چھپی صلاحیتوں کو آشکار کرنا ہے۔ الٰہی امتحان کا اصل فلسفہ انسان کو امتحانات سے گزار کر اسے کمالِ انسانیت تک پہنچانا ہے۔ جس طرح ایک زرگر سونے کو آگ میں ڈال کر کندن بناتا ہے، اسی طرح اللہ تعالی اپنے بندوں کو امتحانات سے گزار کر خالص بناتا ہے۔ اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو کوئی امتحان، آفت نہیں، بلکہ رحمت ہے۔ کیونکہ خدا حکیم ہے اور اس کی صفتِ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہ ہو۔ اس کی طرف سے اپنے بندوں سے لیے جانے والے امتحانات میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہاں! ضروری نہیں ہر کام میں پوشیدہ الٰہی حکمت کا ہمیں علم ہو۔

نمت

نورالہدیٰ مرکز تحقیقات، نورالہدیٰ ٹرسٹ، محلّہ سادات، بارہ کہو، اسلام آباد

Ph:051-2231937 www.nmt.org.pk|www.nht.org.pk